26/11

ہفت روزہ خدام الدین لاہور
بانی: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری

سنت کی تلقین اور بدعت سے اجتناب

دوسری نصیحت یہ کہ میرے جملہ احباب ہر سنت کا پورا پورا اہتمام رکھیں اور کسی سنت کو خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی سی ہو معمولی نہ سمجھیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت اللہ کو محبوب ہے۔

میری جانب سے سنت پر عمل کرنے کی جتنی تاکید ہے اس سے بڑھکر "بدعت" سے اجتناب اور نفرت رکھنے کی تاکید ہے۔ کیونکہ بدعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف نفرت ہے بلکہ ایذا اور تکلیف بھی ہوتی ہے اور جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو اس سے بدتر اور کیا چیز ہو سکتی (یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے دنیا اور آخرت میں، اور ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے: الاحزاب) بدعت ایک مہلک اور متعدی مرض ہے اس کے مریضوں سے متعدی امراض کی طرح دور دور رہنا چاہیے۔ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بدعتیوں کو دیکھ کر بڑی نفرت کے انداز میں کہیں گے: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي یعنی جنہوں نے میرے بعد دین میں کوئی تبدیلی کی اور بدعت پھیلائی وہ مجھ سے دور دور رہیں۔

(نصیحت نامہ از مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ)

13.9.80

محمد سعید الرحمٰن علوی

قیامت کے دن مؤذن کا اکرام

حدثنا محمد بن بشار و اسحاق بن منصور قالا حدثنا ابوعامر قال حدثنا سفیان عن طلحہ بن یحییٰ عن عیسیٰ بن طلحہ رحمھم اللہ تعالیٰ قال سمعت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (ابن ماجہ ص۵۳ ۔ السنن الکبریٰ ص۴۳۲ ج۱)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان علیہما الرضوان سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام لوگوں میں سے مؤذنوں کی گردنیں بلند ہوں گی۔

ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کو نماز کے لیے اکٹھا کرنے کی غرض سے جب مشاورت ہوئی تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دوسرے حضرات نے اپنے خواب ذکر فرمائے جن میں مروجہ طریق سے انہیں اذان کے کلمات سکھلائے گئے تھے۔ ان کلمات میں اللہ اکبر ابتدا میں چار مرتبہ، پھر شہادتین، پھر حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح دو دو مرتبہ اور آخر میں اللہ اکبر دو مرتبہ اور لا الہ الا اللہ شامل تھے چنانچہ جناب سرور کائنات ؐ نے حضرت ابن ام مکتوم اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کلمات سکھلانے کی تلقین فرمائی اور اس وقت سے نماز کے لیے یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ ——— حضور علیہ السلام کے مقرر کردہ صحابہ کرام اپنے اوقات پر اذان دیتے اور لوگ اذان کی آواز سنتے ہی مسجد میں اللہ کے حضور حاضر ہو جاتے۔ جو لوگ اذان کہنے کا فرض سرانجام دیتے ہیں انہیں "مؤذن" کہا جاتا ہے۔ مؤذنون اس کی جمع ہے۔

حدیث مندرجہ میں انہی حضرات کی عند اللہ قدر و منزلت کا اظہار ہے کہ قیامت میں سب لوگوں سے زیادہ ان کی گردنیں بلند ہونگی نماز تمام عبادات میں سے اہم ترین عبادت ہے۔ جس کے متعلق قرآن نے جابجا تاکید فرمائی اور حضور علیہ السلام نے بھی متعدد مواقع پر تلقین و تاکید کی ——— نماز کی جماعت سے ادائیگی کا جتنا اہتمام ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کے گھر جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو جماعت کی حاضری نہیں دیتے۔ اگر گھر میں مستورات اور بچے نہ ہوتے جن پر مسجد کی حاضری لازم نہیں تو اللہ کے نبی ایسا کر گزرتے نیز آپ ؐ نے

باقی ۱۰ پر

ہے تکبر زر پہ لاحاصل کہ بعد از مرگ بس
ایک ہی رستہ ہے سب شاہ و گدا کیواسطے
مال و زر ملک و زمین گنج و سپاہ
کب کسی کو ہے بقا سب ہے فنا کیواسطے

جلد ۲۶ ⁂ شمارہ ۱۱
یکم ذوالقعدہ ۱۴۰۰ھ ⁂ ۱۳ر ستمبر ۱۹۸۰ء

حضرات علماء کرام سے
دردمندانہ استدعا

کچھ عرصہ بیشتر ایک خبر آئی تھی کہ برطانیہ کی ایک مسجد میں باہمی نزاع کے پیش نظر وہاں کی پولیس کو سخت ایکشن لینا پڑا حتی کہ مسجد کی تالہ بندی ہوئی اور پولیس نے کتوں کے ذریعہ مسجد کو خالی کروایا۔ اسی کے قریب ملتی جلتی خبر چند دن پہلے پھر آئی جس میں غالباً لنکا شائر کی ایک مسجد سے متعلق ایسی ہی خبر تھی۔

فیصل آباد کے ایک معاصر ہفت روزہ نے ان خبروں کو سامنے رکھکر جس دل سوزی سے ادارتی کالموں میں حکومت اور اہل علم کو توجہ دلائی ہے وہ ہمارے دل کی آواز ہے۔ فیصل آبادی ہفت روزہ کے بعد مدیر خدام الدین کو برطانیہ سے ایک تفصیلی خط موصول ہوا جس میں ان واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کرنے کے ساتھ اس پریشان کن صورت حال کی اصلاح کےلیے توجہ دلائی گئی ہے۔ مذکورہ خط میں حال ہی میں برطانیہ کا دورہ کرنے والے ایک ؟ . . . . . صاحب کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ جس میں موصوف نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ، زادہما اللہ شرفاً وتحریماً کو کھلا شہر قرار دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ (فیا للعجب) ہم اس نازک موقع پر کسی قسم کی بحث چھیڑنا نہیں چاہتے۔ وطن عزیز پاکستان سنگین مسائل سے دوچار ہے۔ اس کے اردگرد جو کچھ ہورہا ہے اور جس طرح اس کا دائرہ تنگ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کوئی سنجیدہ اور دردمند شہری اس سے ناواقف نہیں۔ ان حالات میں حزم و احتیاط کی شدید ضرورت کا احساس ہم سب کے سامنے ہونا چاہیے۔

ہم پچھلے ہفتہ علماء کنونشن کے حوالہ سے علماء کے باہمی اتحاد

رئیس الادارہ
"پیر طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ"

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری
مدیر : محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک: سالانہ -/۶۰ روپے ششماہی -/۳۰ روپے سہ ماہی -/۱۵ روپے فی پرچہ ۱/۵۰

اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ہی توجہ دلا چکے ہیں کہ یہ سلسلۂ خیر آگے بڑھنا چاہیے اور ہماری صفوں کا انتشار بالکلیہ ختم ہو جانا چاہیے

ان سطور کی تحریر کے بعد لاہور کی معروف عالمگیری مسجد میں جو اجتماع ہوا اس سے بھی اہل ملک واقف ہو چکے ہیں اس میں اکثر حضرات نے مل کر اللہ کے حضور دوگانہ ادا کیا۔ جب کہ بعض حضرات نے بعض مجبوریوں کے پیش نظر واپس اپنے مقام پر جا کر نماز ادا کی۔ ہمیں مزید خوشی ہوتی اگر وہ حضرات بھی ان مجبوریوں کا علاج کر کے وہیں نماز ادا کرتے۔ بہرحال مل کر تقریریں کرنا اور اللہ کے گھر میں ہزاروں بندگان خدا کے سامنے خطرات کے احساس کے ساتھ باہمی اتحاد کی ضرورت پر زور دینا بھی کم خوشی کی بات نہیں۔

لیکن وہ یورپ جس کے بقال فروشوں نے ہماری آزادی سلب کی اور مختلف انداز سے قریباً دو سو سال ہمیں لوٹا اور آج بھی جہاں شرم و حیا نام کی کوئی چیز نہیں شرافت سر پیٹ چکی ہے اخلاقی جرائم پوری قوت اور سرکاری سرپرستی کے ساتھ ہو رہے ہیں وہاں سے جب اس قسم کی خبریں آتی ہیں تو ازحد رنج ہوتا ہے۔ اس دیار میں ہمارے واعظین و مبلغین بے شک جائیں لیکن وہاں خلق محمدی کا مظاہرہ کریں۔ جس دیار میں کفر پوری قوت کے ساتھ موجود ہے بلکہ دنیا بھر کے کفر کا سرچشمہ آج بھی وہی سرزمین ہے وہاں محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و سلامہ کے نام لیواؤں کا ایسا طرز عمل اختیار کرنا جگ ہنسائی ہی نہیں ہمارے خیال میں دینی اور ملی اعتبار سے ازحد نقصان دہ ہے اول تو باہمی انتشار و نفاق کا قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا چاہیے۔ لیکن اگر کچھ دوست اسی میں خوش ہوتے ہیں تو ایسے کاموں کے لیے کم از کم اس جگہ کو تجویز نہیں کرنا چاہیے اور جب وہاں جا کر وہ لوگ ایسا کام کریں جو اپنے یہاں مصلح، مفکر اور نہ معلوم کیا کیا کہلاتے ہیں اور تقریر کرتے کرتے ملی اتحاد کے ضمن میں ان کے آنسو چھلک پڑتے ہیں تو ازحد تکلیف ہوتی ہے۔

ہم حکومت سے یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس نے اب جبکہ اتحاد کے ضمن میں اہل علم کی سرپرستی قبول کر لی ہے اور اہل علم نے سرکار کی خواہش پر اتحاد کی سمت سفر شروع کر دیا ہے تو اپنے عمل و کردار سے اس مسئلہ کو ٹھوس بنیادوں پر حل کریں تاکہ آئندہ کسی قسم کے سر پھٹول کی صورت سامنے نہ آئے۔ بالخصوص دیار غیر میں۔ ماضی قریب میں جو تندی اور تلخی پیدا کی ہے اسے ناخن تدبیر سے سلجھائیں تاکہ وطن سے دور جو لوگ محنت مزدوری میں مشغول ہیں وہ باہمی محبت و پیار سے رہ کر ملک و قوم کے اچھے نمائندے ثابت ہوں۔

امید کہ دل سے نکلی ہوئی اس بات کا اثر قبول کیا جائیگا اور ملت کی بہتری کی خاطر اپنے فرائض احسن طریق سے پورے کیے جائیں گے

حضرت درخواستی کا فرمان

نظام العلماء پاکستان کے سربراہ مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے علماء پر زور دیا ہے کہ وہ اپنی تمامتر صلاحیتیں اور توانائیاں ملک میں اسلامی نظام کو عملاً نافذ کرانے میں صرف کر دیں تاکہ یہ ملک خالص اسلامی مملکت بن سکے۔ انہوں نے کہا کہ علماء کرام وارثِ انبیاء علیہم السلام ہیں انہیں خود بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور قوم اور حکمران طبقہ کو بھی اس راہ پر چلنے کی تبلیغ کریں اور انہیں ایک وحدت فکر کی دعوت دیں۔ انہوں نے کہا کہ آج جبکہ تمام فرق باطلہ اسلام کے خلاف سازشوں میں معروف

عمل ہیں اور متفق و متحد ہیں ہمیں بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اسلام کی سربلندی کے لیے خوب جانفشانی سے کام کرنا چاہیئے۔

مولانا درخواستی نے عوام و خواص سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے تمام تر فروعی و ذاتی اختلافات بھلا کر ایک بار پھر متحد ہو جائیں اور اغیار پر یہ ثابت کر دیں کہ مسلمان سیسہ پلائی دیوار کی مانند ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تاریخ شاہد ہے کہ ہمارے اسلاف باطل قوتوں کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہوئے بلکہ متحد ہو کر ان کا ہر موڑ پر مقابلہ کیا آخرکار فتح نے ان کے قدم چومے اور وہ سرفراز و کامران ہوئے

انہوں نے کہا کہ اس ملک کی اساس کلمہ لا الہ الا اللہ پر قائم ہوئی اور اسی بنیاد پر مسلمانوں نے عظیم قربانیاں دیں لیکن پاکستان کے ہر آنے والے طالع آزما حکمران نے جھوٹے وعدے کئے اور اس ملک میں اسلامی نظام نافذ نہ ہو سکا۔ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر اس ملک میں اسلام نافذ نہ ہوا تو پھر اس ملک کی خیر نہیں اور قوم کا زوال حتمی اور لازمی ہو جائے گا۔

حضرت درخواستی نے کہا کہ آج بھی وقت ہے کہ حکمران و رعایا اپنے روٹھے خدا کو منانے کی کوشش کریں اور دونوں مل کر اس ملک کی فلاح و بہبود کے لیے کام کریں۔ اور اسلامی نظام کو عملی جامہ پہنانے میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

انہوں نے مزید کہا کہ ملک و ملت کی بقاء کا راز اسلامی نظام کو عملاً نافذ کرنے اور باطل قوتوں کی سرکوبی میں مضمر ہے۔ انہوں نے برملا کہا کہ نہ تو امریکہ ہمارا مددگار ہو سکتا ہے اور نہ ہی روس ہمارا مداوا بن سکتا ہے بلکہ ہماری کامیابی خدا پر مکمل بھروسہ کرنے اور اس کے رسولؐ کی اتباع کرنے میں ہے۔

آیت کریمہ

انشاء اللہ ۱۱ ستمبر بروز جمعرات مجلس ذکر کے بعد آیت کریمہ پڑھی جائے گی۔ احباب مطلع رہیں۔

مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات

مجلس احرار اسلام کے بیدار مغز رہنما حضرت امیر شریعت قدس سرہ کے رفیق و ہمسفر اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے جرنیل مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات کا کام احقر نے بزرگان مجلس کے حکم پر شروع کر دیا ہے، حضرت مولانا کا کوئی خط، تحریری یا تقریری مواد، ان سے متعلق کوئی اہم واقعہ کسی دوست کے علم میں ہو تو اس سے مطلع کریں، خط وغیرہ کا فوٹو بنوا کر بھیج دیں یا اصل ارسال کر دیں، استفادہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ بحفاظت واپس کر دیا جائیگا

محمد سعید الرحمن علوی ۱۵ شیر شاہ ملتان

جماعتی احباب متوجہ ہوں!

نظام العلماء پاکستان کے مرکزی ناظم دفتر مولانا غلام اکبر سلیمانی نے ملک بھر کا جماعتی و تنظیمی دورہ مکمل کرنے کے بعد یکم ستمبر ۱۹۸۰ء سے مستقل طور پر نظام العلماء پاکستان کے دفتری امور کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ آئندہ جماعتی حضرات چوک رنگ محل لاہور کے پتہ پر خط و کتابت اور رابطہ قائم کریں اور وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرماتے رہیں۔ نیز جماعتی احباب سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اضلاع اور شاخوں کی تشکیلات مکمل کر کے فوری طور پر مرکزی دفتر لاہور بھجوائیں اور اپنے ضلعی و صوبائی دفاتر اور رابطہ کے پتے بھی ارسال کریں تاکہ نامہ و پیام اور رابطہ کے ذریعہ جماعتی امور کو آگے بڑھایا جا سکے اور جماعت کے سربراہ اور ناظم عمومی کی ہدایات ترسیل کی جا سکیں ——— شکریہ!

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : علوی

حقوق العباد سے بے اعتنائی افسوسناک ہے

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

محترم حضرات! رمضان المبارک میں مجلس ذکر کا سلسلہ موقوف رہتا ہے کیونکہ صلاۃ مغرب و عشاء کے درمیان کھانے وغیرہ کے لیے وقت درکار ہوتا ہے اور پھر تراویح کی طیاری کرنا ہوتی ہے تاہم حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح رمضان سے قبل کی مجلس ذکر میں ہم سب برادرانِ دینی کو توجہ دلا دیا کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ کو اپنے گھر میں جس وقت ممکن ہو جاری رکھیں اور تعطّل پیدا نہ ہونے دیں۔

رمضان کے بعد گذشتہ جمعرات کو آیت کریمہ کا سلسلہ تھا۔ آج آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس موقعہ پر بڑی مختصر گفتگو ہوتی ہے، جس میں بالعموم ان باتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جنہیں لوگ برائے نام سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

آج مجھے حقوق العباد کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ جس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی ضروری ہے اسی طرح حقوق العباد کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ یہ جتنے حقوق ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کردہ ہیں اور اسی کا حکم ہے کہ انہیں اس طرح ادا کیا جائے ــــ آج حقوق اللہ کے سلسلہ میں بہت ہی غفلت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اور حقوق العباد کے سلسلہ میں اس سے بھی زیادہ غفلت برتی جا رہی ہے۔ قرآن و سنّت میں ان کی ادائیگی کا بہت اہتمام سے حکم ہے حدیث میں بعض ایسے لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو صبح قیامت میں اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو ان کے نامۂ عمل میں نفلی عبادات کی کمی نہیں ہوگی لیکن وہ لوگ ایسے ہوں گے کہ انہوں نے دنیا میں لوگوں کے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہوں گی، کسی کو گالی دی ہو گی، کسی کی عزت و آبرو لوٹی ہوگی، کسی سے لڑائی جھگڑا کیا ہو گا، کسی کی غیبت کی ہوگی، راستہ میں تکلیف دہ چیز ڈالی ہو گی، کسی کا مذاق اڑایا ہوگا کسی کا نام بگاڑا ہوگا۔ کسی کو کم تول اور کم ناپ کر سودا دیا ہوگا کسی سے ناجائز نفع کمایا ہوگا۔ الغرض دسیوں لوگ اس کے اردگرد ہو جائیں گے۔ ہر کوئی مطالبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں اہلِ حقوق میں بانٹ بانٹ کر ان کا حق چکائیں گے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور حق ختم نہیں ہوں گے۔ پھر ان لوگوں کی برائیاں اس کے کھاتہ میں ڈال دی جائیں گی اس طرح وہ شخص گناہوں کا بوجھ سر پر لے کر خائب و خاسر ہو جائے گا۔

محترم حضرات! اندازہ فرمائیے کتنا بڑا خسارے کا سودا ہے ایک آدمی نے فرائض کی ادائیگی کے بعد ذکر و فکر اور نفلی عبادات میں وقت گذارا، بہتیرا سرمایہ اکٹھا کیا لیکن نوبت یہاں جا

(باقی ۲۶ پر)

خطبہ جمعہ

ترتیب: مولانا عبدالرؤف فاروقی

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اللہ اور رسولؐ کے شیر تھے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدظلہم ○

الحمد للہ و کفی و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:—

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۔

صدق اللہ العظیم

محترم حضرات! گذشتہ جمعہ کی نشست میں ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اُن لوگوں کے بلند مقام کا تذکرہ کیا جو اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور تحفظ و دفاع کے لیے میدانِ عمل میں نکل کر اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع اور اپنا محبوب سرمایہ یعنی جان قربان کر کے اللہ تعالےٰ کی الوہیت، پیغمبر علیہ السلام کی رسالت اور اسلام کے ساتھ اپنی سچی وابستگی کی عملی شہادت و گواہی دے کر شہادت کے اُس مقام کو حاصل کر لیتے ہیں جو نبوّت و صدّیقیت کے بعد کائنات کا اللہ کے ہاں سب سے بڑا اعزازی مقام ہے۔ یوں تو تاریخ اسلام ایسے مجاہدین کے کارناموں سے بھری پڑی ہے اور ہر دَور میں ایسے مردانِ کار موجود رہے جنہوں نے اپنے خون سے گلشنِ اسلام سینچا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ ہماری تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہیں اور فرزندانِ اسلام بجا طور پر اُن کے کارناموں اور قربانیوں پر فخر کر سکتے ہیں۔ تاریخ کائنات میں کسی عقیدے اور نظریے کے حامل لوگوں نے اپنے عقیدہ کے لیے کبھی اتنی قربانیاں نہیں دیں جتنی اسلام کے لیے اس کے نام لیواؤں نے پیش کیں اور آج اگر اسلام اصلی حالت میں ہمارے پاس موجود ہے تو یہ ان کی جد و جہد کا ہی نتیجہ ہے۔ اس طرح وُہ ہمارے محسن ہیں کہ انہوں نے ہم تک دین ہر قیمت پر پہنچایا۔ لیکن آج ہم جس تابندہ شخصیت کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں اُن کا اسم گرامی حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ہے جو ۳ھ میں اسی مہینہ شوال المکرم کی ۱۵ تاریخ کو جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

تعارف و سعادتمندی

حضرت حمزہ عبدالمطلب کے بیٹے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چچا تھے۔ اس لحاظ سے آپ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی بھائی بھی ہیں کہ انہوں نے بھی ثُوَیبہ (ابولہب کی آزاد کردہ کنیز) کا دودھ پیا تھا۔

حضور علیہ السلام نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہوئے تو آپؐ کے چار چچا بقید حیات تھے۔ ابولہب، ابوطالب، حمزہ، اور عباس۔

ابولہب و ابوطالب بدقسمتی سے اسلام و ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ بلکہ ان میں سے ابولہب تو وہ ہے جس نے حضور

علیہ السلام کی رسالت، پیغامِ توحید اور اسلام کے خلاف سب سے پہلے آواز اٹھائی اور مخالفت کی۔ حتیٰ کہ اس کا پورا خاندان اس مخالفتِ حق میں پیش پیش رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے پورے خاندان کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لیا جس کا ذکر قرآن کی ایک پوری سورت میں موجود ہے۔ ابوطالب بھی ایمان کی سعادت تو حاصل نہ کر سکے البتہ انہوں نے عملاً آپؐ کی مخالفت بھی نہ کی۔

حضرت عباسؓ معرکہ بدر تک اسلام کے مخالف تھے جنگ بدر میں مسلمانوں کے خلاف شریک ہوئے اور قیدی بن کر مدینہ میں لائے گئے۔ لیکن جب رہا ہو کر گھر واپس تشریف لائے تو اسلام اور پیغمبر علیہ السلام کے اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہو چکے تھے چنانچہ اسلام قبول کر لیا اور پھر ہمیشہ اسلام کے سپاہی بن کر رہے۔ ہر کڑے وقت میں حضورؐ کا ساتھ دیا اور مردانہ وار اسلام اور پیغمبر اسلام کی حفاظت کے لئے مصروفِ عمل رہے۔ جب حضرت عمرؓ بن خطاب (العیاذ باللہ) نبی کریمؐ کو شہید کرنے کا ارادہ لے کر چلے لیکن راستے کے واقعات کے نتیجہ میں اپنا عزم بدل کر اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوئے اور صحابہؓ نے دروازے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھنے کے بعد آپؐ سے عرض کیا کہ عمر ہاتھ میں تلوار لئے کھڑے ہیں جس سے نیت اچھی نہیں لگتی۔ تو یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے بڑی جرأت کے ساتھ فرمایا "دروازہ کھول دو، اور عمر کو اندر آنے دو۔ اگر وہ ادب و احترام سے پیش آیا تو ہم بھی اُسے اخلاقِ محمدیؐ کا نمونہ دکھائیں گے لیکن اگر اُس کی نیت درست نہ ہوئی تو پھر اُس کی گردن اُسی کی تلوار سے کاٹ کر اُس کے سینہ پر رکھ دوں گا۔"

اسد اللہ ورسولہ

میدانِ بدر میں حضرت حمزہؓ نے جس طرح اسلام کے سپاہی کی حیثیت سے شجاعت و بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے بڑے بڑے سردارانِ قریش کو قتل کیا اُس کی وجہ سے جنگِ اُحد میں آپؓ کو بطورِ خاص شہید کرنے کا پروگرام بن چکا تھا چنانچہ "ہندہ" نے وحشی بن حرب ایک غلام کو آزادی کا لالچ دے کر آپؓ کو شہید کرنے کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ جب اُحد کے میدان میں اسلام اور کفر کے درمیان دوسرا بڑا معرکہ شروع ہوا تو حضرت حمزہؓ حسبِ سابق دو دھاری تلوار اور ایک روایت کے مطابق دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر دشمنانِ اسلام پر ٹوٹ پڑے اور کافروں کی صفوں میں گھس کر بہت سے کافروں کو تہ تیغ کیا۔ آپؓ کی یہ بے مثال بہادری دیکھ کر زبانِ نبوت سے آپؓ کو "اسد اللہ و اسدُ رسولہٖ" (اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا شیر) کا لقب ملا۔

علماء کا قول ہے کہ دنیا میں حضرت علیؓ شیرِ خدا کے لقب سے معروف ہیں جو جس وقت جنگ میں شریک ہوتے تو ان کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں اپنے دفاع کے لیے ڈھال ہوا کرتی تھی لیکن حضرت حمزہؓ کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں ہوا کرتی تھیں کہ اپنی جان کے دفاع اور تحفظ کا خیال تک نہ ہوتا تھا اس لیے حضور علیہ السلام نے آپؓ کو اس مجاہدانہ سرفروشی اور اپنی جان کی پروا کئے بغیر کفر پر ضرب کاری لگانے کے صلے میں "اسد اللہ ورسولہ" کا اعزاز عطا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کی بہادری اور جوانمردی کی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی نگاہوں میں کتنی قدر و قیمت تھی۔

وما علینا الا البلاغ۔

مولوی محمدؐ حیات

رشکِ حیات ذاتِ محمدؐ حیات تھی! — جو رازدارِ سرِّ ہمہ کائنات تھی

وہ سادہ رُو تھا سادہ طبیعت کا آدمی — لبریز سادگی سے اُس کی ہر اک بات تھی

لاریب تھا وہ علم کا اک بحرِ بیکراں — لاریب اُس کی ذات ستودہ صفات تھی

واقف تھا قادیان کے علم الکلام سے — اس کی نظر میں وادئ لات و منات تھی

ٹھہرا کبھی نہ اس کے مقابل کوئی حریف — ہر بات اُس کی ختمِ نبوّت کی بات تھی

سب سے بڑا ثبوت حیاتِ مسیحؑ کا — اس دور میں حیاتِ محمدؐ کی ذات تھی

ہاں اُس سے کسبِ فیض کیا میں نے اُن دنوں — جب میری طبع مائلِ رُوحانیات تھی

رخصت جہاں سے ہو گیا وہ مردِ پاکباز — جس کی حیات باعثِ رشکِ حیات تھی

لاریب اب تو جنتِ اعلیٰ میں ہے مقیم
تیری سرشت پاک، محمدؐ حیات تھی

۲۲ر اگست سنہ ۱۹۸۰ء — قلم برداشتہ — آزاد شیرازی، مدیر تذکرہ لاہور

بقیہ : احادیث الرسولؐ

دنیا سے رخصت ہونے کے ایام میں مسلمانوں کی باجماعت نماز کا سب سے زیادہ فکر فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق سلام اللہ تعالیٰ علیہ و رضوانہ کو امامت صلاۃ کا حکم دیا اور بعد میں صحابہ علیہم الرضوان نے اسی بنیاد پر آپ کو جانشینِ رسولؐ تسلیم کیا کہ جس شخص پر اللہ کے رسولؐ نے ہمارے دین کے معاملہ میں اعتماد کیا ہے اپنی دنیا کے معاملہ میں ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ جماعت کے التزام و اہتمام کے لیے اذان جتنی ضروری اور ناگزیر ہے اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ اس طرح لوگ یکبارگی اکٹھے ہو جاتے ہیں اور انہیں مل کر حضور باری میں سجدہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

جو شخص یہ فرض انجام دیتا ہے وہ ایک طرح متعلقہ آبادی کا محسن ہے۔ کیونکہ آبادی کا ہر فرد کسی نہ کسی کام میں مشغول ہوتا ہے وہ بندہ خدا کچھ وقت پہلے کمال اہتمام سے مسجد میں حاضر ہو کر سب کو صلاۃ و فلاح کی دعوت دیتا ہے، اور اللہ کی رحمت و کبریائی کا اعلان کرتا ہے۔ خود سوچیں کہ یہ کام خاصا محنت کا بھی ہے اور سعادت کا بھی۔ اس محنت و سعادت کا دنیا میں جو اجر ملتا ہے وہ تو ملتا ہی ہے قیامت میں اس کی گردن بلند ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ذہن میں یوں آتا ہے کہ خالق کائنات کی کبریائی کا روزانہ پانچ وقت بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اظہار کرنے کا اس ارحم الراحمین کی طرف سے یہ صلہ ملے گا کہ گردن بلند ہو گی اور لوگ پہچان لیں گے۔

کتنے خوش نصیب ہیں مؤذن حضرات۔ اللہ تعالیٰ ان کے اکرام کی توفیق دے اور اس سعادت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین!

ہدایت نامہ والدین

(احادیث نبویہ کی روشنی میں)

- جب بچہ پانچ برس کا ہو جائے تو آداب سکھاؤ۔
- جب وہ سات برس کا ہو جائے تو نماز سکھاؤ۔
- جب نو برس کا ہو جائے تو بچھونا الگ کر دو۔
- جب بارہ برس کا ہو جائے تو اس کی عادات و حرکات و سکنات پر نظر رکھو۔
- جب سولہ برس کا ہو جائے تو اس کا نکاح کر دو۔
- ایک روایت میں ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز سکھاؤ اور دس برس کا ہو کر نماز نہ پڑھے تو مار کر پڑھاؤ۔

"خاموش مبلغ ملتان"

قسط (۳)

انگریز کی آمد سے

برصغیر کے حالات میں کیا تغیر رونما ہوا؟
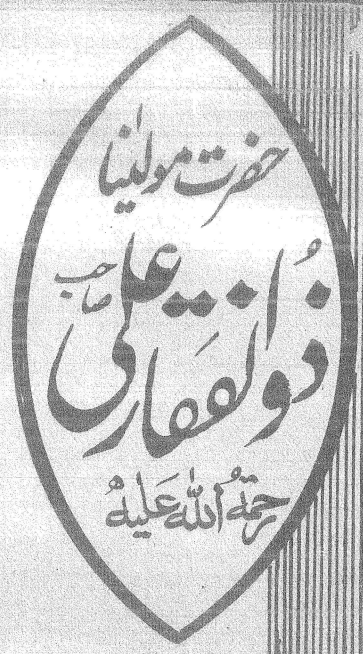
تحریر: خالد محمود ایم اے

معاشی حالت

انگریزی حکومت کے قیام کے ساتھ برصغیر میں سیاسی و معاشرتی تباہ حالی کے ساتھ ساتھ اقتصادی و معاشی تباہ حالی کا تاریک دور شروع ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ غیر ملکی حکومت نے برصغیر کو اقتصادی تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا۔ مسلم عہد حکومت میں حکمران طبقہ جو کماتا اسی ملک میں خرچ کرتا۔ انگریزی عہد میں ایک طرف زیادہ آمدنی کے تمام عہدے اور کاروبار غیر ملکیوں کے لیے وقف ہو گئے اور دوسری طرف وہ جو کماتے اس کا بڑا حصہ ولایت لے جاتے۔ اس سے ایک طرف ملک میں بے روزگاری عام ہوئی اور دوسری طرف ملک روپے سے محروم ہو گیا۔ مغل حکومت، علوم و فنون کی سرپرست تھی۔ علماء فضلا، فن کاروں اور ادیبوں کو وظائف دیئے جاتے تھے۔ انگریز تاجر اس ذوقِ سلیم سے محروم تھے نتیجہ یہ ہوا کہ صاحب علم و فن طبقہ بھوکوں مرنے لگا۔

کمپنی کی حرص کا یہ عالم تھا کہ اس نے مسلمانوں کے متعدد اوقاف جن کی آمدنی تعلیم جیسے نیک کام پر خرچ ہوتی تھی، پر بھی ناجائز قبضہ کر لیا۔ اس سے اہل علم کی ناداری کے علاوہ تعلیم کا انتظام بھی تباہ ہو گیا۔

اس عہد میں ملکی صنعت و تجارت کو ارادتاً تباہ کر دیا گیا۔ اعلیٰ صنعتیں کمپنی کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو گئیں اس ضمن میں ڈھاکہ کی شہرہ آفاق ململ کی مثال کافی ہے اسی طرح برصغیر میں جہاز سازی کی صنعت عروج پر تھی ملکی جہاز ارزاں اور بہتر تھے مگر حکومت نے حکم دیا کہ برطانوی جہازوں کے علاوہ کسی جہاز کو بندرگاہوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں اس سے یہ صنعت بھی ختم ہو گئی۔ تجارت کا معاملہ اس سے مختلف نہ تھا۔ اس ملک کے کئی ایسے تاجر تھے جن میں سے ہر ایک کا سرمایہ اس عہد کے بنک آف انگلینڈ کے مجموعی سرمایہ سے بھی زیادہ تھا لیکن اب ملکی تجارت برباد ہو چکی تھی اور تمام نفع بخش کاروبار کمپنی کی اجارہ داری میں تھے۔

اب جبکہ ملازمت، صنعت اور تجارت کے تمام دروازے ہندوستانیوں پر بند ہو چکے تھے تو زراعت ہی ان کا واحد ذریعہ معاش رہ گیا تھا لیکن انگریزوں کے دوامی بندوبست نے کاشت کاروں کی زندگی دوبھر کر دی تھی انہیں حقوق مالکانہ سے محروم کر دیا گیا اور محصولات بڑھ گئے۔ زمینداروں کے قدیم خاندان اپنی جگہ نالاں تھے اودھ میں ایسے زمیندار بھی تھے جن کی املاک صدیوں سے ان کے خاندان میں چلی آرہی تھیں۔ یہ لوگ تعلقہ دار کہلاتے تھے۔ الحاق اودھ کے بعد انگریزوں نے بلاوجہ انہیں اپنی زمینوں سے محروم کر دیا جس سے بڑی بے اطمینانی پھیلی انگریزوں کی زیادتی یہاں تک بڑھی کہ تمام مذہبی اوقاف کی دستاویزات طلب کیں۔ اکثر گھرانے ان کاغذات کو طلب کر چکے تھے، چنانچہ حکومت نے اوقاف پر بھی قبضہ جما لیا۔ ۱

۱ تفصیل کے لیے کمپنی کی حکومت از باری علیگ۔ ہمارے ...

۲ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۲۴۲، ۳ ہمارے ہندوستانی مسلمان از ہنٹر باب چہارم و انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۲۱۶-۲۱۹

ملک کی مجموعی اقتصادی حالت یہ تھی۔ لیکن مسلمان سب سے زیادہ اقتصادی و معاشی بدحالی کا شکار ہوئے۔ اسلامی عہد حکومت میں حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ صوبوں کے کمانڈر، صوبوں کے گورنر، مالگزاری کے مہتمم اور عدالتوں کے حاکم ہوتے تھے۔ مسلمان علماء کو حکومت کی طرف سے جاگیریں ملتی تھیں، مدرسوں کے اخراجات اوقاف کی آمدنی سے پورے ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ ساری قوم خوشحال تھی۔ لیکن جب حکومت ختم ہوئی تو قوم کی خوشحالی بھی ختم ہو گئی، بلکہ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کا اپنا حریف سمجھتے ہوئے انہیں اقتصادی طور پر کمزور کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے [1]

"مسلمانوں کی دولت کے دو بڑے ذرائع یعنی فوج اور محکمہ دیوانی کے متعلق ہم نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کے جواز میں بہت سے دلائل موجود ہیں گو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرز عمل سے بنگال کے مسلمان گھرانے بالکل تباہ و برباد ہو گئے ہم نے مسلمان امراء کو فوج میں داخل نہیں کیا کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ ہماری عافیت ان کو بے دخل کر دینے ہی میں ہے"

انگریزی حکومت سے پہلے مسلمان مالیہ کی وصولی کے ذمہ دار تھے لیکن دوامی بندوبست نے نہ صرف انہیں عہدوں سے محروم کیا بلکہ اُن کے تمام مسلمہ حقوق بھی ختم کر دئے گئے ان کی جگہ ہندو مقدموں یا ساہوکاروں نے لے لی جنہوں نے مالیہ کی نیلامی میں زیادہ بولی دی تھی ان ہندوؤں کو زمیندار بنا کر حقوق مالکانہ عطا کر دیئے گئے۔ اس سے مسلم مزارعین کے تمام قدیم حقوق بیک جنبش قلم سلب ہو کر رہ گئے۔

رفتہ رفتہ فارسی کی بجائے بنگالی کو دفتری زبان بنا دیا گیا اس تغیر سے ہندو بیحد خوش ہوئے۔ مگر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی عمداً حق تلفی کی جا رہی ہے اس سلسلہ میں اگلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ بنگالی کی بجائے انگریزی زبان کو رائج کر دیا گیا۔ میکالے کی مشہور یادداشت کے بعد انگریزی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ہندوؤں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا لیکن مسلمانوں کے شبہات بڑھتے چلے گئے انہوں نے محسوس کیا کہ انگریزی حکومت اپنی روایات سے محروم کرنے کے ساتھ ساتھ عیسائی بنانے کے منصوبے بنا رہی ہے اس لیے وہ انگریزی سکولوں سے علیحدہ رہے ۱۸۴۴ء میں سرکاری ملازمت کے حصول کے لیے انگریزی زبان کی واقفیت لازمی قرار دے دی گئی۔ اس دوران ہندو یہ زبان سیکھ چکے تھے اس لیے وہ تمام دفاتر اور عہدوں پر چھا گئے اور مسلمان ہر قسم کی ملازمت سے محروم رہ گئے۔

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا طریقہ تعلیم جس نے ہندوؤں کو ان کی صدیوں کی نیند سے جگایا، اور ان کے کاہل عوام میں قومیت کے شریفانہ جذبات پیدا کر دیئے ہیں۔ مسلمانوں کی روایات کے بالکل خلاف اور ان کی ضروریات کے بالکل غیر مطابق ہے بلکہ ان کے مذہب کی تحقیر کرتا ہے ہندو اسلامی حکومت کے تحت بھی اپنے طور پر ایسے ہی مطمئن تھے جیسے کہ اب ہماری حکومت میں آجکل، ترجیح صرف اس شخص کو دی جاتی ہے جو انگریزی زبان جانتا ہو۔ اور ہندو انگریزی خوب سیکھتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ہنٹر لکھتا ہے [1]

"الغرض مسلمان اب یہاں تک قعر مذلت میں گر چکے ہیں کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے قابل ہوں، تب بھی ان کو سرکاری اعلانات کے ذریعے ملازمت سے باز رکھا جاتا ہے۔ ان کی قابل رحم حالت پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اعلیٰ حکام تو ان کی ہستی کو تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہیں"۔

برطانوی حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مسلمانوں کو منظم طریقہ سے تباہ کیا جائے۔ حکومت کی واضح ہدایات تھیں کہ غیر مسلموں سے ترجیحی سلوک کیا جائے۔ ۱۸۷۱ء میں ہنٹر نے لکھا کہ آج سے ایک سو ستر سال قبل ایک خاندانی مسلمان کے لیے غریب ہونا ناممکن تھا مگر آج اس کے لیے، اتنا ہی ناممکن ہے کہ وہ امیر رہ سکے۔ اس دور میں ہندو تاجر اور ساہوکار طبقہ آگے بڑھ گئے لیکن ہنرمند کاریگر اور اعلیٰ زمیندار طبقہ و نیز وہ لوگ جو قدیم خیالات و روایات کے پابند تھے، پیچھے رہ گئے۔ [2]

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۴۳

[2] ہمارے ہندوستانی مسلمان از ہنٹر باب چہارم و انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۲۱۸/۲۱۹

[2] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۳ ، [3] تمدن ہند ص ۴۶۹ ،

تعلیمی حالت

انگریزوں کی آمد سے پہلے ہر مسجد اور مندر میں مکتب اور پاٹھ شالہ کا انتظام ہوتا تھا۔ ان اداروں میں مذہبی کتابوں کے علاوہ دیگر ضروری علوم و فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی اگرچہ یہ طریقۂ تعلیم بہت ہی سادہ تھا لیکن اسلامی مقبولیت اور وسعت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا ابوالحسنات لکھتے ہیں [۳]

قدیم زمانہ میں تعلیم کے لیے عموماً علیحدہ عمارتیں نہیں ہوتی تھیں زیادہ تر یہ کام مساجد سے لیا جاتا تھا یہی سبب ہے کہ ہندوستان کے قدیم اسلامی شہروں میں قدم قدم پر تم کو وسیع و شاندار مسجدیں ملیں گی۔ دہلی، آگرہ، لاہور، جونپور، احمد آباد، وغیرہ قدیم اسلامی دارالسلطنتوں میں جو عظیم الشان مسجدیں تعمیر ہوتی تھیں اور جو ابتک قائم و باقی ہیں۔ ان کی ہیئت کذائی صاف بتاتی ہے۔ ان کا بڑا حصہ تعلیم گاہوں کے کام آتا تھا۔ قدیم خانقاہیں بھی عموماً تعلیم گاہوں کے مصرف میں آتی تھیں۔ سلاطین و بزرگان کرام کے مزارات و مقبروں میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا"

"لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بھی اس طرز کے بیشمار مکاتب کم وبیش ہر جگہ موجود تھے لکھے پڑھے مسلمانوں کی آبادی کا شاید ہی کوئی محلہ ایسا ہوگا جن کے گھروں میں لڑکیوں کے قرآن مجید کے متعدد مکاتب موجود نہ ہوں [۴] ان مکاتب میں تعلیم مفت دی جاتی تھی حتیٰ کہ غریب لڑکوں کے کھانے، کپڑے اور لکھنے پڑھنے کی ضرورت بغیر کسی معاوضہ کے مہیا کی جاتی۔ بعض مدارس میں ہندو اور مسلمان بچے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ نصاب تعلیم میں فارسی، حساب اور مذہبی علوم داخل تھے۔ علماء کے علاوہ امراء بھی جو عموماً صاحب علم و فضل ہوتے اپنے کاموں کے علاوہ درس و تدریس بھی ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ ہوتا تھا۔ [۵]

منتخب التاریخ میں بدایونی نے لکھا ہے [۶]

"میر فتح اللہ شیرازی جو اکبر کے عہد میں وزارت کے منصب پر فائز تھا۔ وقتاً فوقتاً طلباء کو درس و تدریس دیتا رہتا تھا۔ عربی صرف کی مشہور کتاب "علم الصیغہ" اور "تاریخ حبیب اللہ" کے مصنف مفتی عنایت احمد جو عدالت دیوانی میں منصف تھے۔ عدالت میں بھی شاگردوں کا مجمع ساتھ رکھتے تھے۔ دوران مقدمات میں جہاں فرصت ملتی درس شروع ہو جاتا تھا۔"

ہندوؤں کی تعلیم کے لیے بھی مکتب علیحدہ موجود تھے، پنڈت تعلیم دیتے تھے۔ پنڈتوں کی زیر تربیت رہ کر ہندوؤں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے ان مکاتب کے اخراجات ساہوکار ادا کرتے تھے۔ ہندو طالبعلم پہلے سنسکرت زبان سیکھتے تھے پھر پرانوں کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے بعد بعض طالب علم، علم فلسفہ حاصل کرتے تھے علم ہیئت میں ہندوؤں کو خاص مہارت حاصل تھی۔ بعض ابتدائی مکتبوں میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ حساب کی تعلیم ہوتی تھی [۱] "دیہاتوں میں ہندو طلبہ کو گروجی تعلیم دیتے تھے۔ نصاب میں ہندی لکھنا پڑھنا اور حساب کی تعلیم شامل تھی۔ جو طلبہ مزید پڑھنا چاہتے تھے وہ بڑے اداروں میں سنسکرت، فارسی زبان سیکھتے تھے اور پنڈت بنتے تھے۔ فارسی زبان کی تعلیم کے لیے قصبوں میں بھی مکتب ہوتے تھے، ہندو اور زیادہ تر مسلمان تعلیم دیتے تھے، ہندو عربی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے خود راجہ موہن رائے جنہوں نے انیسویں صدی میں ہندوؤں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے میں بھرپور کوشش کی تھی، وہ عربی، فارسی اور اسلامی تعلیم سے آگاہ تھے۔ [۲]

الغرض برطانوی عہد سے پہلے اس قسم کا تعلیمی نظام تھا جس سے ہندو اور مسلمان بہرہ ور ہو رہے تھے۔ تعلیم و تعلم کا رواج عام تھا۔ پورے ملک میں مدارس کا جال بچھا ہوا تھا اور گھر گھر علم کا چرچا رہتا تھا۔ مسجدیں، خانقاہیں اور پاٹھ شالہ اہل علم آوازوں سے گونجتی رہتی تھیں۔ اگرچہ ان مدارس و مکاتب کی تعلیم آجکل کی طرح باقاعدہ نہ تھی مگر استادوں کا فیضان نظر شاگردوں میں غیر معمولی قسم کی علمی پختگی اور اخلاقی درستگی پیدا کر دیتا تھا۔

اسلامی تعلیم

انیسویں صدی میں جبکہ سلطنت مغلیہ پر نزع کا عالم طاری تھا اور زوال و انحطاط

۳ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔ از ابوالحسنات علی ندوی (روز بازار الیکٹرک پریس امرتسر ۱۳۴۱ھ) ص ۱۵، ۱۶، ۴ ص ۴-۵ ، ۵ تاریخ دیوبند از محبوب رضوی (ادارہ تاریخ دیوبند ۱۹۵۲ء) ص ۶۶-۶۷، ۶ استاذ العلماء، بحوالہ تاریخ دیوبند ص ۶۶،

۱ تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخی مقالات از پروفیسر خلیق نظامی ص ۱۹۹، ۲ ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں از سید سلیمان ندوی (ادارہ تصنیف و تالیف، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی سنہ ۱۹۵۴ء، ص ۲۶-۲۷،

کے آثار ہر طرف نمایاں تھے۔ ہندوستان میں اب بھی علم و عرفان کے ایسے چشمے اُبل رہے تھے جن میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند بھی مستفیض ہو رہا تھا۔ شاہ عبد العزیزؒ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چیں ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے تھے۔ اور علوم دینی کا چرچا کر رہے تھے۔ سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ سیاسی زوال و پستی کی آخری منزلیں طے ہو رہی تھیں۔ لیکن "ذہنی شعور" ابھی مردہ نہ ہوا تھا۔"[1]

۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے یکدم ہندوستان کی بساط الٹ دی، پرانی مجلسیں درہم برہم ہوگئیں۔ علمی و مذہبی محفلیں سرد پڑ گئیں۔ گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہوگئے۔ مسجدیں مسمار ہوگئیں، خانقاہیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ مدرسوں میں کھیتی ہونے لگی۔ مدرسہ رحیمیہ جہاں سے ولی اللہی حکمت کا چشمہ ابل رہا تھا اور جہاں شاہ عبد العزیز اور شاہ محمد اسحاق نے قرآن و حدیث کے درس دیئے تھے، وہاں مدرسہ" رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگ گیا۔[3]

[3] واقعات دار الحکومت دہلی از مولوی بشیر الدین احمد (شمسی پریس آگرہ سنہ ۱۹۱۹ء) ص ۱۶۷ ج ۲ و تاریخی مقالات از خلیق نظامی ص ۲۰۴

برطانوی عہد میں سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کی دینی تعلیم کو پہنچا اس لیے کہ انگریز مسلمانوں کو اپنا حلیف سمجھتا تھا چنانچہ انگریزوں نے ارادۃً مسلمانوں کو اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی لحاظ سے برباد کرنے کی کوشش کی۔

برطانوی عہد میں مسلمانوں کے اہم تعلیمی مراکز و مدارس بجز فرنگی محل لکھنؤ کے سب تباہ و برباد ہو چکے تھے، کیونکر اور کس طرح ہوئے؟ اس کا جواب خود اسی قوم کے افراد سے سنیئے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعلیم کا دار و مدار اوقاف و معافیات پر تھا جن پر حکومت نے قبضہ کر لیا۔ اور مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو نقصان پہنچایا۔

ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر لکھتا ہے[1]

"آخر ۱۸۳۸ء میں آٹھ لاکھ پونڈ کے خرچ سے مقدمات چلا کر ان معافیات اور اوقاف تعلیم پر حکومت نے قبضہ پالیا۔ صرف ان معافیات سے حکومت کی آمدنی میں تین لاکھ پونڈ یعنی تقریباً پینتالیس لاکھ روپے کا اضافہ ہوگیا" سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہوگئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دار و مدار انہی معافیات پر تھا، تہ و بالا ہو گیا، مسلمانوں کے تعلیمی ادارے ۱۸ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے[2]

یہ صرف ایک صوبہ کے تعلیمی اوقاف کا ذکر ہے اس سے مسلمانوں کے اس دور میں تعلیمی اخراجات کا اندازہ کیجیے۔

برک اپنی اس یادداشت میں جو برطانوی گورنمنٹ میں پیش کی گئی تھی لکھتا ہے[3]

"ان مقامات میں جہاں علم کا چرچا تھا اور جہاں دُور دور سے طالبعلم پڑھنے کے لیے آتے تھے آج وہاں علم کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔"

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد جب انگریزوں کے قدم ہندوستان کی سرزمین میں جم گئے تو مسلمان مفکرین کو محسوس ہوا کہ اب سیاسی زوال و انحطاط کے ساتھ مستقبل میں مسلمانوں کا علم و مذہب اور قومی زندگی سخت خطرہ میں ہے وہ تاریخ کے اس فیصلہ سے بے خبر نہ تھے کہ جب کسی قوم نے کسی ملک کو فتح کیا تو فاتح قوم کے اثرات و خصائص صرف مفتوح قوم کے جسموں تک محدود نہیں رہتے بلکہ مفتوح قوم کے دل و دماغ اور علم و فکر بھی مسخر ہو جاتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مفتوح قوم اپنے ملی شعائر، قومی خصائص اور فکر و عمل کو خیرباد کہہ دیتی ہے بلکہ اپنی قدیم روایات سے نفرت کرنے لگتی ہے۔

اس امر کے انسداد کے لیے اس وقت تعلیم کے سوا کوئی اور ایسی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی جس کے ذریعے سے مسلمان اپنی قومی زندگی اپنی روایات و شعائر کا تحفظ کر سکیں۔ جہاں تک نفس تعلیم کا تعلق ہے اس میں تمام ارباب فکر متفق تھے۔ لیکن طریقۂ تعلیم میں اختلاف تھا۔ علماء کرام کی رائے تھی کہ مسلمانوں کو صرف رائج الوقت اسلامی علوم و فنون کی تعلیم دی جائے جس کے ذریعے آئندہ اپنے قومی شعور کو برقرار رکھ

[1-2] ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۲۵۵-۲۵۸ [3] تذکرہ شاہ ولی اللہ از مولانا مناظر احسن گیلانی (نفیس اکیڈمی کراچی طبع سوم سنہ ۱۹۵۹ء) صفحہ ۳۰۳-۳۰۴،

[4] بحوالہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی (محبوب المطابع دہلی ۱۹۴۳ء) صفحہ ۲۹۲، جلد نمبر ۱،

سکیں۔ اس کے برخلاف دوسرے طبقہ کے نزدیک حکومت متسلطہ کی زبان اور علوم و فنون کا پڑھنا ضروری تھا، دونوں گروہ اپنی اپنی جگہ کامیاب ہوئے اوّل الذکر گروہ نے اسلامی فنون و علوم کے لیے مدارس عربیہ قائم کیے اور دوسرے گروہ نے سکول و کالج کھولے اس سلسلہ میں سب سے پہلے دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کی بنیاد ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو رکھی گئی۔ دینی تعلیم کی ترقی اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کے سلسلہ میں اس ادارہ نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں۔ اس سلسلہ میں فرنگی محل لکھنؤ نے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس دور میں علماء میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے جنہیں یہ احساس ہوا کہ دینی مدارس کا نصاب تعلیم ضروریات زمانہ کے مطابق ہونا ضروری ہے اس مقصد کے لیے ۱۸۹۲ء میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی ندوہ نے ایسے علماء پیدا کیے جو رفتار زمانہ کا ساتھ دے سکتے تھے۔"

انگریزی تعلیم کا آغاز

اپنے اقتدار کے ابتدائی دور میں انگریزوں کو پاک و ہند میں اپنی حکومت کی وسعت اور استحکام سے سروکار رہا اور انہوں نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اسلامی عہد کے مدارس اپنی قدیم طرز پر جاری رہے۔ ۱۷۸۱ء میں "کلکتہ مدرسہ" کے نام سے ایک مکتب قائم کیا گیا اور ۱۷۹۲ء میں بنارس میں ہندوؤں کے لیے "سنسکرت کالج" قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ

> "علماء کرام مغربی تعلیم کی تحصیل کے بالکل خلاف نہیں تھے بلکہ اس کی افادیت کے قائل تھے (خود مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے بارے میں مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی میں لکھتے ہیں کہ مولانا جدید تعلیم کی تحصیل کی ضرورت سمجھتے تھے دارالعلوم دیوبند کو ایک خالص دینی ادارہ کی حیثیت میں قائم کرنے کی وجہ ایک یہ تھی کہ جدید تعلیم کا انتظام سرکار کی سرپرستی میں ہو رہا تھا لیکن مسلمانوں کی تعلیم کا نہ صرف گورنمنٹ نے انتظام ہی نہیں کیا بلکہ دینی تعلیم کو نصاب سے ارادتاً خارج کیا اور دینی مدارس کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس صورت میں مسلمانوں کے ملی وجود کے تحفظ کے لیے از خود دینی تعلیم کا انتظام دارالعلوم دیوبند کی صورت میں کیا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ یہ ارادہ نہ ہوتا تو مسلمانوں کے علوم کو [جدید] زبردست نقصان پہنچتا اور مسلم معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا۔"

مسلمانوں اور ہندوؤں کو مشرقی طرز پر ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ سرکاری محکموں اور اداروں میں ملازمت کے قابل ہو سکیں ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں عربی فارسی اور کسی قدر مغربی تعلیم دی جاتی تھی مولانا ذوالفقار علی نے اس ادارہ میں مولانا مملوک علی سے تعلیم پائی تھی۔

الغرض ابتداء میں انگریزی حکومت مغربی تعلیم سے غافل رہی لیکن مسیحی مشن اس بارے میں سب سے آگے رہے انہوں نے اس ملک میں سب سے پہلے مغربی تعلیم کا آغاز کیا، مشنریوں میں سے تعلیم کی اشاعت کا زبردست حامی الیگزنڈر ڈف تھا، جو کہ ۱۸۳۰ء میں کلکتہ پہنچا اس کا خیال تھا کہ برصغیر کے لوگوں کو عیسائی بنانے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ براہ راست تبلیغ کی بجائے مغربی طرز پر ایسے سکول قائم کیے جائیں، جن کا نصاب تعلیم ہی مسیحی طرز فکر کا آئینہ دار ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کو انجیل کی تعلیم بھی دی جاتی رہے یہاں تک کہ لاشعوری طور پر وہ عیسائیت سے متاثر ہو جائیں۔ ان سکولوں میں ابتدائی تعلیم دیسی زبانوں میں دی جاتی اور اوپر کے درجوں میں انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جاتا۔ ڈف کے رائج کردہ نظام تعلیم کی کامیابی میں ہندو لیڈر راجہ موہن رائے کے تعاون کا بھی حصہ ہے۔ اس نے اپنی قوم کو نئے نظام تعلیم سے استفادہ کرنے کی ترغیب دی۔

۱۸۳۳ء میں سرکاری حلقوں میں تعلیم کی طرف سنجیدگی سے توجہ اور غور و خوض شروع ہوا لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ مغربی تعلیم کو رائج کرنا چاہیے یا مشرق کا قدیم نظام تعلیم جاری رکھنا چاہیے اس بحث میں میکالے اور ولسن دو متضاد مکاتب فکر کے قائد تھے۔ میکالے مغربی تعلیم کا زبردست حامی تھا جبکہ ولسن کا نقطہ نگاہ یہ تھا، کہ مشرقی علوم کی اشاعت کی جائے (باقی آخر)

میکالے کو کامیابی ہوئی اور اس نے ایک یادداشت لکھی جس میں میکالے نے مشرقی علوم کا تذکرہ نہایت حقارت آمیز لہجہ میں کیا۔ اس نے صاف طور پر لکھا کہ انگریزی حکومت کا مقصد یہ نہیں کہ پوری قوم کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے بلکہ وہ ہندوستانیوں کی ایک اقلیت کو تعلیم دینا چاہتا تھا تاکہ ایک طرف اسے نظام حکومت کے کل پرزوں کے طور پر استعمال کیا جا سکے اور دوسری طرف اس کے ذریعے ملک کی عام آبادی کے ذہنی رجحانات کو متاثر کیا جا سکے اس کے اپنے الفاظ میں "ہمیں فی الحال صرف اتنا کرنا چاہیئے کہ ایک طبقہ پیدا کر دیں جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے درمیان ترجمان کا کام دے جس پر ہم حکمران ہیں۔ ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، رائے، اخلاق اور ذہن کے اعتبار سے انگریز ہو۔"

اس فیصلہ کے بعد انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے کالج قائم کئے گئے۔ مراسلہ وڈ کی سفارشات کے پیش نظر ۱۸۵۷ء میں بمبئی، مدراس اور کلکتہ میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں ۱۸۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی قائم ہوئی اور ۱۸۸۷ء میں الہ آباد یونیورسٹی قائم ہوئی، اسی طرح کالجوں اور سکولوں کی تعداد میں متعدد اضافہ ہوا۔ ۱۸۸۲ء میں برصغیر پاک و ہند میں ۲۲ لاکھ سے زیادہ طلبہ زیر تعلیم تھے۔ لارڈ میو کے عہد میں والیان ریاست کی تعلیم و تربیت کے لیے موزوں درسگاہیں کھولنے کی تجویز ہوئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں تین کالجوں کا قیام عمل میں آیا۔ میو کالج اجمیر، راجکمار کالج راجکوٹ اور ایچیسن کالج لاہور، ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ کے مقام پر سر سید احمد خاں کی کوششوں سے اینگلو اورنٹیل کالج کی بنیاد ڈالی گئی۔

۱۸۸۲ء میں حکومت کی طرف سے ڈبلیو ڈبلیو، ہنٹر کی سربراہی میں ایک کمیشن مقرر کیا تاکہ ملک کی تعلیمی ترقی کا جائزہ لیا جائے اور سفارشات کی جائیں اس کمیشن نے ابتدائی تعلیم اور ملکی زبانوں کی تعلیم پر بھی زور دیا مسلمانوں میں جدید تعلیم کے سلسلہ میں سر سید احمد خاں، نواب عبد اللطیف کی کوششیں قابل ذکر ہیں۔ اس سلسلہ میں انجمن حمایت اسلام لاہور اور انجمن اسلامیہ امرتسر کی کوششوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مسلمان اور انگریزی تعلیم

انگریزی تعلیم کے حصول میں مسلمان کافی پیچھے رہے۔ مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:[۱]

"۱۸۷۵ء یعنی اس وقت تک کہ علی گڑھ میں ابتدائی سکول کھولا گیا، تمام ہندوستان میں مسلمان گریجوایٹس کی تعداد صرف بیس تک پہنچی تھی، حالانکہ اس وقت ہندو گریجوایٹس کی تعداد ۸۴۶ تک پہنچ گئی تھی۔"

ابتداء میں مسلمانوں کے انگریزی تعلیم سے گریز کی معقول وجوہ تھیں۔ فارسی اور عربی زبانوں کو ترک کرکے انگریزی زبان کی ترویج کا فیصلہ مسلمانان ہند کے جذبات کو مجروح کرنے کا باعث بنا۔ اولاً انہوں نے خیال کیا کہ حکومت کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو عیسائی بنا لیا جائے۔ ان کے یہ شکوک بالکل بے بنیاد نہیں تھے اس لیے کہ اس سے پہلے مشنریوں کے قائم کردہ تمام انگریزی سکولوں میں مغربی تعلیم اور عیسائیت کی تبلیغ لازم ملزوم تھیں۔ ثانیاً مسلمانوں کو اپنی تعلیمی روایات بہت عزیز تھیں۔ اور انہیں ترک کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے نزدیک مغربی تعلیم اس لیے بھی حقیر تھی کہ اس میں اخلاقی تربیت کا اہتمام نہ تھا ثالثاً اس تعلیم سے انہیں کوئی فوری فائدہ بھی نظر نہیں آتا تھا کیونکہ سرکاری ملازمت سے انہیں جان بوجھ کر محروم رکھا جاتا تھا اور ہندوؤں کو ترجیح دی جاتی تھی اس سلسلہ میں چند حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے[۲]

"یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ اس طریقہ تعلیم سے پرہیز کرتے ہیں جو فی نفسہٖ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو لیکن ان کے ملی رجحانات کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ طرز تعلیم لازماً ان کے مفاد کے خلاف اور ان کی مذہبی روایات کے منافی ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ ہمارا طریقہ تعلیم جس نے ہندوؤں کو ان کی صدیوں کی نیند سے جگایا مسلمانوں کی روایات کے بالکل خلاف اور ان کی ضروریات کے بالکل غیر مطابق ہے بلکہ ان کے مذہب کی تحقیر کرتا ہے۔"

"ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے کوئی نوجوان خواہ ہندو ہو یا مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو۔"

فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا

[۱] حیات جاوید، حصہ دوم، ص ۲۴۹ ، [۲] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۱۱ ، ۱۹۴۵ء ، ۲۰۲

سیرتِ رسولؐ کے تقاضے

پندرھویں صدی ہجری

محمد سعید الرحمٰن علوی

دورِ حاضر کے ایک نامور مفکر و مصلح اور صاحب قلم بزرگ کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی و نبوت کے ذریعے اپنے پیغمبروں کو انسانوں کی اصلاح و تکمیل پر مامور فرمایا اور ان حضرات نے اپنی دعوت و محنت کا موضوع انسان کو بنایا۔ انبیاء علیہم السلام کی بصیرت پر اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ فاش کیا کہ اس دنیا کی قسمت اور اس کی آبادی و ویرانی کا فیصلہ انسان پر معلق ہے۔ اگر حقیقی انسان موجود ہے تو یہ دنیا اپنی سب ویرانیوں اور بے سرو سامانیوں کے ساتھ آباد و معمور ہے اور اگر حقیقی انسان موجود نہیں تو یہ دنیا اپنی ساری رونقوں اور اپنے ساز و سامان کے ساتھ ایک ویرانہ اور خرابہ سے بہتر نہیں۔ اس دنیا کی بدقسمتی آلات و وسائل کی کمی اور فقدان سے نہیں بلکہ ان کے غلط استعمال سے ہے۔ دنیا کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس کو انسان کی غلط اندیشی اور بے راہ روی نے تباہ کیا۔ آلات و وسائل نے اس تباہی اور ہلاکت خیزی میں صرف اضافہ کیا۔

دنیا کی تاریخ اور اس میں خاص کر حضرتِ انسان کی تاریخ جو ہزاروں سال پر پھیلی ہوتی ہے اس کا حال خود دنیا کے پیدا کرنے والے کی نظر میں یہ ہے کہ "زمانے کی قسم ہے، بے شک انسان گھاٹے میں ہے" (ترجمہ حضرت لاہوریؒ) انسان جو اپنے آپ کو بڑا ہی کامیاب و کامران سمجھتا اور قرار دیتا ہے اس کی تاریخ مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں کی تاریخ ہے۔

ہاں وہ مختصر سی جماعت جو ہر دور میں اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل سے وابستہ رہی اس نے فوز و فلاح اور نجات و کامیابی حاصل کی اور بس۔

سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپ کی زندگی کے چالیس برس جن میں آپ "محمد بن عبداللہ" کی حیثیت سے متعارف و معروف تھے ان میں کوئی تکلیف اور پریشانی سامنے نہ آئی لیکن وہی "محمد بن عبداللہ" جب "محمد رسول اللہ" ہوئے تو انسانیت کے نام نہاد علمبردار سیخ پا اور آگ بگولہ ہو گئے۔ وہ جو قرآن نے کہا کہ زمانے کی قسم ہے..... اس کے عملی مظاہر فکر و دانا میں بڑے بڑے سردار، رؤسا شاعر و ادیب اور فہم و دانش کے مالک کیا کیا حرکتیں کر رہے ہیں لیکن وہ سراپا رحمت ذات جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی اصلاح کی خاطر دنیا میں بھیجا تھا کسی بھی قسم کی تکلیف اور پریشانی کی پرواہ کیے بغیر سرگرم عمل و سفر ہے اور فرماتی ہے کہ

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

مکہ کی وادیوں میں ساز و سامان، تجارت سامانِ خورد و نوش کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا اپنا رنگ دکھلا رہی تھی اور "وادیٔ غیر ذی زرع" ہر قسم کے پھلوں اور میووں سے اٹی پڑی تھی۔ ان پھلوں اور میووں سے متمتع ہونے والے اور اللہ کی ایک نیک بندی کے اضطراب اور اس کے معصوم لاڈلے کی بے چینی کے سبب ابلنے والے پانی "زمزم" سے استفادہ کرنے والے انسانوں کے لباس

میں بھیڑیوں کا کردار ادا کر رہے تھے۔

لیکن روحِ محمدی کی بے چینیاں انہیں جلوۂ حق دکھانے کے لیے مصروفِ عمل تھیں حضور سراپا رحمت کی یہی ڈیوٹی تھی۔ یہی آپ کا کام تھا کہ "انسان" حقیقی معنوں میں انسان بن جائے اور پھر جو حقیقی معنوں میں انسان بن گئے وہ قافلہ سالارِ انسانیت کہلائے۔ انہیں معلمِ انسانیت ہونے کا شرف حاصل ہوا، بحر و بر نے ان کی بلائیں لیں۔ وجہ صاف تھی کہ جن اصولِ اربعہ کو محمد کریم کے رب نے کامیابی کا ماٹو قرار دیا تھا محمد رسول اللہؐ کے تربیت یافتہ حضرات نے ان اصولوں کو اپنا لیا تھا وہ چار اصول کیا تھے قرآن کے لفظوں میں أمنوا وعملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر جو ایمان لائے، اور نیک کام کیے، اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں وصیت کرتے رہے (ترجمہ حضرت لاہوریؒ) انسانیت کا یہ قافلہ جو آسمانی تعلیم سے کسبِ فیض کر کے سرگرم سفر تھا اس نے جہاں قدم رکھا وہیں کامیابی حاصل کی۔ حتیٰ کہ اس دور کی دو سپر طاقتیں روم و ایران کی شکل میں جو موجود تھیں جن کا کام اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بغاوت و سرکشی تھی۔ جن کی بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر جاتی تھیں، جہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا ظالمانہ قانون نافذ العمل تھا۔ جہاں کا والی و حکمران اپنے کو اللہ کا اوتار سمجھ کر لوگوں سے اپنی پوجا کراتا اور ان کی عزت و ناموس اور مال و دولت سے کھیلتا، جہاں کا ہر خود غلط مذہبی رہنما مذہبی احکامات کا سوداگر تھا۔ جہاں کی عدالتیں ظلم کا آخری منظر پیش کر رہی تھیں ان سلطنتوں کو زیر و زبر کیا اور اسی قافلۂ انسانیت نے جس کا سنگِ بنیاد محمد عربی فداہ ابی و امی و احنا و انفسنا نے وادیٔ بطحا میں رکھا تھا، اس قافلہ کو ہجرتِ حبشہ کی محرومیاں دیکھنا پڑی تھیں، اس قافلہ نے وادیٔ مکہ میں تین سالہ جبری قید و بندش کا تلخ گھونٹ پیا تھا۔ اس قافلہ نے اپنے گھر اور مال و منال کو چھوڑ کر کس مپرسی کے عالم میں ہجرتِ مدینہ کی راہ لی تھی۔ بدر سے لے کر حنین و طائف تک اور خیبر سے لے کر تبوک تک دسیوں میدانوں میں اس قافلہ کو تہس نہس کرنے کی سازشیں اور سبیلیں ہوئیں لیکن اس قافلہ کے افراد کا اندر کا انسان جاگ چکا تھا ان کا ضمیر انگڑائی لے چکا تھا۔ وہ اپنے ہادی و رہنما کی سچی تعلیم کے بل بوتے پر اپنی اور اپنے خالق کی ہستی کو پہچان چکے تھے۔ ان بندگانِ خدا نے عقیدہ کی مضبوطی و استحکام کی دولت حاصل کر لی تھی۔ اعمالِ صالحہ سے ان کا نخلِ چمن کھلا ہوا تھا اور ان کے کردار کی عظمت مسلّم ہو چکی تھی۔ اس لیے ان کے سامنے اس قافلہ کے سامنے کوئی نہ ٹھہر سکا، کوئی نہ جم سکا۔ انہوں نے حکمران ہو کر ملکی خزانہ میں خیانت نہیں کی، سپہ سالار لشکر ہو کر کسی پر زیادتی نہیں کی۔ عدالت نے بلایا تو چلے گئے ان کے خلاف ڈگری ہوئی تو خندہ پیشانی سے عدالت کا حکم سن کر تعمیل کی۔ اس قافلہ کے ایک ایک فرد کی سیرت اتنی اجلی تھی کہ فرشتے ناز کرتے تھے۔

یہ قافلہ رواں دواں رہا۔ سعید روحیں اس کارواں میں شامل ہوتی گئیں اور چار دانگ عالم میں اس کارواں کی دھوم مچ گئی، اس قافلہ کو سفر کرتے آج چودہ سو سال ہو چکے ہیں چودھویں صدی کا سورج دور مغرب میں غروب ہونے کی تیاری کر رہا ہے اور پندرہویں صدی کا سورج آنکھیں مل رہا ہے، وہ ابھی نمودار ہو گا اور اپنی تیز شعاعوں سے ساری دنیا کو بقعۂ نور بنا دے گا۔ محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کے نام لیوا اس صدی کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں، کتابیں، رسائل اور بہت کچھ تصنیف ہو رہا ہے۔ اہلِ قلم، اور اہلِ علم مصروفِ کار ہیں دانش ور، عقل و دانش کے موتی لٹا رہے ہیں اور اہلِ فہم خرد کی گتھیاں سلجھانے میں مصروفِ عمل۔ ایک عنوان یہ بھی ہے کہ قافلہ سالارِ انسانیت کی سیرتِ طیبہ پر کام ہو وہاں سے استفادہ کیا جائے۔ اور مستقبل کی صدی میں ہمارے کیا فرائض ہوں گے۔ اس کے متعلق اسی ذاتِ اقدس سے سوال کیا جائے؟ واضح بات یہ ہے کہ سرکارِ مدینہ کی زندگی جب تکمیل کے مرحلے طے کر رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ دین کا مژدۂ جانفزا سنایا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رازدانِ نبوت تھے مژدۂ جانفزا پر بلک بلک کر رونے لگے وہ سمجھ گئے کہ کام ختم ہو جائے تو بلاوے آ جاتے ہیں۔ لیکن جب بلاوا آ گیا تو وہی صدیقِ اکبر عزم و استقامت کا کوہِ گراں بن کر خطبہ ارشاد

فرمانے لگے، اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کی اداؤں اور آپ کی سیرت کو محفوظ رکھنا تھا۔ اس کا ذریعہ صدیق اکبر بنے، سانحہ ارتحالِ نبوی پر کئی قسم کی گمراہیاں پھیل سکتی تھیں فکر ونظر کے پیمانے بدل سکتے تھے اور عقیدہ وفکر کی جو جوت سرکار نے جگائی تھی وہ بری طرح متاثر ہو سکتی تھی سرکار نے ساری عمر یہی محنت کی تھی۔ کہ اللہ اپنی ذات وصفات میں ایک ہیں، مالک ومختار، عزت وذلت کے مالک اولاد دینے اور نہ دینے والے روزی فراخ اور تنگ کرنے والے وہی ہیں، حکمران وہی، حکومت انہی کی۔ دشمنانِ دعوت محمدی کے لیے یہ بات عجوبہ تھی۔ وہ حیرت واستعجاب میں ڈوب جاتے اور کہتے جس کو قرآن نے نقل کیا

”کیا اس نے کئی معبودوں کو صرف ایک معبود بنا دیا؟ بے شک یہ بڑی عجیب بات ہے۔ (ترجمہ حضرت لاہوریؒ) حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے الفاظ میں ”یہ عجیب چیز ہے کہ خدا تعالیٰ فقط ایک ہے؟“

لیکن سرکار کی دعوت بہرحال یہی تھی کہ اللہ احد اور جب سرکار کا وصال ہوا تو محبت وعشق کی دنیا میں ڈوبے ہوئے ساتھی جذبات پر قابو نہ رکھ سکے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ بنیادی عقیدہ متزلزل نہ ہو جائے۔ صدیقی ایمان وعزم کام آیا اور عقیدہ کی دولت محفوظ ہو گئی۔ گویا معلمِ انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے انسانیت کے جو گوہر شب چراغ جلائے تھے ان میں سے ایک نے نورِ ایمان سے اتنا بڑا کام کر دیا کہ عقلیں دنگ ہیں۔

اب آج جو مشکلات ہیں وہ ظاہر وباہر ہیں، ان پر کسی تبصرہ کی ضرورت ہے نہ تجزیہ کی۔ رسالتمآب کی سیرت کل انسانیت کے دکھوں کا مداوی تھی تو آج بھی ہے۔ آپ کی سیرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا ورضوانہٗ کے الفاظ میں ”قرآن تھا اور قرآن ہے“۔ صحابہ علیہم الرضوان کا ذوقِ ایمانی یہ تھا کہ ایک قرآن بین الدفتین ہے تو ایک مدینہ کی گلیوں میں پھرنے والا قرآن جس طرح کل محفوظ تھا اسی طرح آج محفوظ ہے گو کہ بعض دانِ عصرِ حاضر اس کی تحریف کا افسانہ گھڑتے اور کسی آنے والے کے پاس ”اصلی قرآن“ موجود ہونے کا کہتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں وہ کل کی طرح آج بھی محفوظ ہے، رہ گیا مدینہ کی گلیوں میں پھرنے والا قرآن تو گو وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو کر عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں روپوش ہو گیا لیکن اس کی خوشبو مشامِ جاں کو معطر کرنے کے لیے موجود ہے، اس کی زندگی کی ایک ایک ادا محفوظ ہے اور یہ ایسا اعجاز ہے جس کی مثال دنیا کے کسی مصلح ریفارمر اور مفکر کی زندگی میں دستیاب نہیں۔ تنہا محمد کریم کی ذات ہے جس کے شب وروز کی تمام تر تفصیلات موجود ہیں اور اس طرح کہ ان کی صداقت پر شبہ کرنا مشکل ہے، زندگی بے داغ تھی، تو اس کی تاریخ بھی بے داغ ہے، اس نے جب میدانِ عرفات میں قدوسیوں کی مجلس میں اعلان کیا تھا کہ اللہ کی کتاب اور اپنا اسوہ چھوڑ کر جا رہا ہوں تو اس کے پس منظر میں یہی انتہا دکار فرما تھا اور اس نے فرمایا تھا کہ تمہاری بقا، کامیابی، گمراہی سے حفاظت کا راز اسی میں ہے کہ ان دو حقیقتوں کو مانو اور تھام کر رکھو۔ پندرہویں صدی کیا ہو گی اور کیا نہیں ہو گی؟ ہم نہیں جانتے اس لیے کہ کل کی بات جاننا کسی کے بس میں نہیں، صرف اللہ کا کام ہے انسان نہیں جانتا کل کیا ہو گا اور کیا کرے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا؟ ترجمہ حضرت لاہوریؒ سورہ لقمان) تاہم ایک بات واضح اور طے شدہ ہے کہ جو بربادیاں چودھویں صدی میں ہمارا مقدر رہیں وہی پندرہویں صدی میں ہمارا مقدر ہوں گی اور بس۔ جب ہمارے حالات یہ رہے جو آج ہیں، حالات میں تغیر اور تبدیلی، مجالس ہائے مذاکرہ، نمبرات سیرت اور تقریر وبیان بازی سے نہیں عمل سے ہو گا۔ سرکارِ مدینہ کی سیرت مسلسل عمل کا پیغام ہے اور عمل کا انحصار ٹھوس عقیدہ اور اخلاص پر ہے۔ آپ کی سیرت اس کی لمحہ بھر کے لیے اجازت نہیں دیتی کہ مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہلا کر امانت میں خیانت کرے اور ایفاءِ عہد نہ کرے، آپ کی سیرت اس کو منافقت کا نام دیتی ہے اور یہ منافقت اتنی عام ہے کہ الامان۔ آپ کی سیرت باہمی تباغض وتحاسد سے بالکل مبرّہ اور منزّہ ہے اس میں محبت وبغض کا پیمانہ صرف اور صرف مرضیاتِ الٰہی کے تابع ہے۔ کوئی کسی رنگ کا ہو کسی نسل کا ہو، کوئی بولی بولنے والا ہو وہ اگر لا الٰہ الا اللہ کی بین الاقوامی برادری کا ممبر ہے تو تمہارا بھائی ہے ورنہ کچھ نہیں

لیکن اس "کچھ نہیں" کا معنی یہ نہیں کہ تم اس کا گلا کاٹنے لگو وہ انسانی لباس میں مستور تو ہے تمہارا فرض یہ ہے کہ انسانی لباس میں مستور ڈھانچہ کے اندر کی انسانیت کو زندہ و بیدار کرو۔ اس سے نفرت نہ کرو اس کے امراض کے قلع قمع کرنے کی فکر کرو لیکن سوال یہ ہے کہ تم خود مریض ہو تو پھر؟ آج آپ کی سیرت یہ کہہ رہی ہے کہ دیکھو جب صبحِ قیامت میں میرا تمہارا سامنا ہوگا تو تم میری نفریں کا شکار ہو گے دنیا میں میں سراپا محبت و رحمت تھا۔ تم نے میری محبت کی قدر نہ کی آج ایسا نہ ہوگا سُحقًا سُحقًا کی آوازیں ہونگی دین کو بدلنے اور بگاڑنے والو تمہارا مقدر ہلاکت و بربادی ہے۔

پندرہویں صدی ہجری نعروں اور تقریروں سے اسلام کی صدی نہیں بنے گی پیغامِ رسالت کو اپنانے سے اسلام کی صدی بنے گی۔ پیغامِ رسالت کیا ہے اور رسالت نے تمہیں کیا دیا؟

"نبوت نے دنیا کو سائنس نہیں دی ایجادیں نہیں عطا کیں، اس کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ ایسا نہ کرنے پر شرمندگی اور معذرت اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو افراد عطا کیے جو خود صحیح راستہ پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں اور ہر اچھی چیز سے خود نفع اٹھا سکتے ہیں اور دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں اور جو ہر قوت اور نعمت کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں، جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور اپنے پیدا کرنے والے سے آشنا ہیں اور اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیتیں رکھتے ہیں، انھیں کا وجود انسانیت کا اصل سرمایہ اور انھیں کی تربیت نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔"

اب تم سمجھے کہ نبوت کا مقصد کیا ہے؟ اور نبوت دنیا میں کیا کرنے آتی ہے؟ لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ تم نئی نئی ایجادات نہ کرو اور نئے نئے کارنامے سرانجام نہ دو بلکہ نبوت یہ کہتی ہے کہ مقصدِ زندگی کی حدود میں رہ کر سب کچھ کرو، اگر تم ایٹم بم بنا کر ہیروشیما کی ہستی بستی آبادیوں کو تہس نہس کر دو تو تم نے نبوت کے پیغام کے بالکل خلاف کیا جب تم نے انسانی آبادیوں پر، ہسپتالوں اور تعلیم گاہوں پر نیپام بم پھینکے تو تم نے نبوت کی بات نہیں مانی، اپنے گھروں میں بسنے والوں کو زبردستی نکال کر ان کے گھروں پر غاصبانہ قبضے کرکے دوسروں کو بسایا تو تم نے ظلم کیا، لیکن گھر پر بسنے والوں نے انسانی ہمدردی کے پیشِ نظر اپنے گھر کے دروازے چوپٹ کھول دیئے تو یہ ایثار ہے۔ دیکھو اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ آج کی ضرورت نئی نئی ایجادات واکتشافات کی نہیں آج پیشہ ور فوجیوں کی جماعتیں منظم کرنے کی ضرورت نہیں، کانفرنسیں، جلسے اور جلوس آج کی ضرورت نہیں، تم ان چیزوں کو مرض کا علاج سمجھتے ہو لیکن یاد رکھو یہ اناڑی طبیب کا علاج ہے اس سے اصلاح نہیں ہوگی بگاڑ میں اضافہ ہوگا۔ ملیریا بخار بگڑ کر تپ محرقہ کی شکل اختیار کرے گا، معمولی کھانسی ٹی بی کا روپ دھار لے گی، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں "جو پیغامِ محبت ابتدائی دور کی انسانیت کے اجڑے چمن میں بہار و شگفتگی کا باعث بنا وہی پیغامِ محبت اب بھی کام آئے گا۔ سیرتِ رسول زندہ و لازوال حقیقت ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے اجتماعی اور انفرادی مسائل کا مکمل حل ہے لیکن مسئلہ حل کرنے کے لیے عملی اقدام درکار ہے نہ کہ محض فرضی شکل

پندرہویں صدی آئے گی اور گزر جائیگی اور تم اسی طرح زبوں حال اور خستہ حال رہو گے۔ ہاں تم "حرا" سے اٹھنے والی روشنی جو ۲۳ برس تک پورے تواتر وتسلسل سے دنیا کی تاریکیوں کا مقابلہ کرتی رہی تا آں کہ وہ غالب آگئی اور تاریکیاں چھٹ گئیں وہی روشنی اب بھی تمہارے دکھوں کا مداوا بنے گی، یہی مجھے کہنا ہے، یہی سیرتِ رسول کا پیغام ہے

ضروری اعلامیہ

ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا سالانہ **جلسہ** یکم۔ ۲۔ ۳۔ اکتوبر کو منعقد ہوگا۔ جس میں فضلائے دارالعلوم کی تنظیم اور پاکستان میں اس ضمن میں ہونے والے اجلاس عام کے متعلق بھی ضروری مشورے ہوں گے۔

فاضل حبیب اللہ جالندہری
ناظم جامعہ رشیدیہ

مولانا تاج محمود صاحب

آہ! حضرت مولانا محمد حیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس سال عید الفطر کے ساتھ ہی یہ المناک خبر پہنچی کہ استاذ المبلغین فخر المناظرین یادگار سلف . . . . . . مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد حیات صاحب ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۸۰ء اپنے آبائی گاؤں کوٹلی بارے خان، میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں،

ملک بھر کے اخبارات میں جب یہ غم انگیز خبر چھپی تو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم ساتھی کی جدائی اور وفات کا ملک بھر کے لاکھوں شیدایان ختم نبوت کو گہرا صدمہ پہنچا"

حضرت مولانا محمد حیات

صاحب ان سعید روحوں میں سے ایک تھے جنہیں حق تعالیٰ نے اپنی خاص نوازشات سے بہترین مبلغانہ اور معلمانہ صلاحیتوں سے نواز کر اپنے محبوب خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی حفاظت اور منکرین وسارقین ختم نبوت کے تعاقب واستیصال کیلئے پیدا فرمایا تھا،

وہ شکر گڑھ کے قریب واقع گاؤں کوٹلی بارے خان میں پیدا ہوئے، میٹرک تک سکول کی تعلیم حاصل کی، پھر حق تعالیٰ نے ان کی رغبت دینی تعلیم کی طرف پھیر دی، دینی تعلیم کے حصول کے بعد انہیں ختم نبوت کے محاذ پر کوئی طور پر بھیج دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں قابل رشک حافظہ عطا فرمایا تھا . . . . . . کوئی حوالہ درکار ہو تو وہ صفحوں کے صفحے زبانی سنا دیا کرتے تھے،

مولانا کی ابتدائی عمر کے زمانہ میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی آواز قریہ قریہ بستی بستی گونج رہی تھی، مجلس احرار اسلام مسلمانوں کی سب سے طاقتور ایک اسلامی اور انقلابی جماعت تھی، انگریزوں کے خلاف بغاوت اور انگریزوں کے ایجنٹوں کی مخالفت اس کا مشن تھا، مولانا محمد حیات صاحب اس میں شامل ہو گئے، مجلس نے انہیں ان کی صلاحیت اور رغبت کی بنا پر شعبۂ تبلیغ قادیان کا سربراہ بنا کر قادیان بھیج دیا، جہاں وہ ہتھیلی پر سر رکھ کر پہنچ گئے اور سالہا سال تک منکرین ختم نبوت کے خلاف وہ مجاہدہ اور مقابلہ کیا . . . . . .

قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان چلے آئے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں استاذ المبلغین مقرر فرما دیا، اور وہ وفات کے وقت تک مبلغین ختم نبوت کے سربراہ رہے

مولانا محمد حیات صاحب مرحوم کو حق تعالیٰ نے تحمل وبردباری، ٹھنڈا مزاج، علم وعقل، اور بے پناہ حافظہ جیسی اعلیٰ صلاحیتوں سے مزین کیا ہوا تھا، وہ مخالفین سے گفتگو اور مناظرہ کے وقت کوئی لفظ ایسا نہیں بولتے تھے جس سے مخالف کی دل آزاری ہو بلکہ وہ اپنے مخالف کو نہ صرف دلائل سے شکست دیتے تھے بلکہ اسے متاثر بھی کرتے تھے۔

ان کے منکرین ختم نبوت کے ساتھ بڑے بڑے معرکے ہوئے جن سے مخالفین پر ان کی ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ وہ ان کے مقابل آنے سے ہمیشہ گریز کیا کرتے تھے

مولانا مرحوم نے ہزاروں علماء کو عقیدۂ ختم نبوت، حیات مسیح علیہ السلام، اور کذب مدعیان نبوت کے دلائل سے مسلح کیا جو آج ملک کے کونے کونے میں حفاظت و اشاعت اسلام اور تحفظ عقیدہ ختم نبوت کے کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کی اپنی خواہش

(باقی ۲۲ پر)

افکار معاصرین

جناب امام خمینی سے

برادرانہ گلہ

تہران میں بیت المقدس کے سلسلے میں ایک کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے امام خمینی نے دنیا بھر کے مسلمانوں پر بجا طور پر زور دیا ہے کہ وہ متحد ہو جائیں اور ثابت قدمی کے ساتھ قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کریں، تاکہ بڑی عالمی طاقتوں کے سامنے جھکنے کی بجائے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جا سکے!

اس سلسلے میں ان کا یہ ارشاد بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ صرف بیت المقدس ہی مسلمانوں کا واحد مسئلہ نہیں، بلکہ افغانستان اور بعض دوسرے مسلم ممالک کے مسائل بھی توجہ طلب ہیں، لیکن اس پس منظر میں جب ان کی طرف سے عراق، مصر، ترکی، پاکستان، اور افغانستان کی حکومتوں کو بھی گردن زدنی قرار دینے کی خبر موصول ہوتی ہے تو اس پر تعجب کے ساتھ اضطراب و احتجاج کا اظہار ایک قدرتی بات ہے "

ایران کے موجودہ حکمرانوں کا عراق اور مصر کے ساتھ جس قسم کا نزاع و اختلاف ہے اس کی وجہ سے امام خمینی کی ان کی حکومتوں سے بیزاری قابل فہم ہے، لیکن انہوں نے اسی سانس میں پاکستان اور ترکی کو جس طرح اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنایا ہے وہ یقیناً ایک ناقابل فہم و قبول بات ہے،

امام خمینی نے جن مسلم ملکوں کو سخت تنقید کا ہدف بنایا مصر کے سوا باقی سب ملک ایران کے ہمسایہ میں واقع ہیں،

افغانستان میں ایک جارح و توسیع پسند سوپر طاقت کی وجہ سے امام خمینی نے ابلیسی قوت قرار دیا ہے، جو آلہ کار حکومت قائم ہے ساری دنیائے اسلام کے وزراء خارجہ اسلام آباد میں جمع ہو کر دو مرتبہ اس کی مذمت کر چکے ہیں، لیکن جناب خمینی نے ببرک کارمل حکومت کے ساتھ بعض دوسرے مسلم ملکوں خاص طور پر ترکی اور پاکستان کی حکومتوں کا جس طرح ذکر کیا ہے اس کا سبب سمجھ میں نہیں آیا کہ ان سے آخر کیا قصور سرزد ہو گیا ہے کہ امام خمینی نے ان کی حکومتوں کو بھی بدعنوان قرار دیکر انہیں الٹ دینے پر زور دیا ہے، جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے معزول شاہ کے زمانہ کی حکومت ایران کے ساتھ بہت اچھے تعلقات کے باوجود پاکستان کے عوام اور حکومت دونوں نے ایران کے اسلامی انقلاب سے اظہار خیر خواہی و حمایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن امام خمینی نے اس کا صلہ بھی پاکستان کو "این ہم بچہ شتر است" کہہ کر دیا ہے

ہر ملک کی خارجہ پالیسی بعض اصولوں اور مقاصد کے تحت اپنے مخصوص قومی مفادات کے تابع ہوتی ہے، لیکن پاکستان نے اسلامی ملکوں کے مسائل و مشکلات کو ہمیشہ اپنا مسئلہ سمجھا ہے، اس کی تصدیق تونس و مراکش وغیرہ سے کی جا سکتی ہے جن کے رہنماؤں کو پاکستان نے اپنے پاسپورٹ دیئے تھے، اسلامیان ایران کی بیت المقدس سے برملا ہمدردی کے اظہار کی عمر تو صرف ڈیڑھ برس ہے، لیکن پاکستان نے گذشتہ ۳۳ برس سے بیت المقدس اور فلسطین کے مسئلے کو عربوں کی طرح اپنا رکھا ہے اور اسی وجہ سے عالمی صیہونیت کے انتقام کا نشانہ بھی بنا ہوا ہے، یہی حالت اب ایران کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کی ہے اگرچہ ہمارے قومی مفاد کا تقاضا ہے کہ دونوں سوپر طاقتوں میں سے کم از کم ایک کے ساتھ ہم اپنے تعلقات میں بگاڑ پیدا نہ ہونے دیں، لیکن قومی مفاد تو درکنار ہم اسلامی دنیا کی خاطر قومی بقاء کو بھی خطرے میں ڈالنے پر تیار ہو جاتے ہیں ایران کو امریکہ سے جو بھی شکایات ہیں، سفارت کار یرغمالیوں کا مسئلہ ایسا ہے کہ جس کی مروجہ بین الاقوامی قانون کے ساتھ اسلامی تعلیمات بھی اجازت نہیں دیتیں، لیکن برادرانہ تعلقات کی خاطر پاکستان نے اس معاملہ میں ایران کا پورا ساتھ دیا ہے، یرغمالیوں کے مسئلے پر امریکہ

اور اس کے مغربی حلیفوں نے ایران کا جو (معاشی) بائیکاٹ کیا ہے، پاکستان اور ترکی اپنے ذرائع اور وسائل کے مطابق اس کے مضمرات پر قابو پانے کے لئے ایران سے پورا تعاون کر رہے ہیں، پاکستان کے بھرپور تعاون کا ذکر تو وزیر خارجہ صادق قطب زادہ نے تہران ریڈیو سے اس حالیہ نشری انٹرویو میں بھی کیا تھا، جس میں سوال کرنے والے نے پاکستان کے خلاف خبث باطن کے اظہار میں حد کر دی تھی،

یہ درست ہے کہ اب ایران میں ایسے حالات نہیں کہ وہ سابق شاہ کے دور کی طرح پاکستان کی مدد کر سکے، لیکن پاکستان کو اس بات کا کوئی گلہ نہیں کہ ایران سے پاکستان کو جو معدودے چند ہیلی کاپٹر ملے تھے وہ واپس منگوا لئے گئے ہیں یا ایران میں ٹینکوں کی جو بلا معاوضہ مرمت کی سہولت حاصل تھی اس کا بھی اب بل وصول کیا جا رہا ہے، حد یہ ہے کہ ایرانی سفارت کا بعض اوقات پاکستان کے اندرونی معاملات میں کھلی مداخلت تک نوبت پہنچا دیتے ہیں لیکن پاکستان نے اس معاملے میں بھی ہمیشہ رواداری اور چشم پوشی سے کام لینا مناسب سمجھا ہے، جہاں تک امام خمینی کا تعلق ہے وہ بزرگ ہیں اور اپنے ملک کے معاملات میں ہر شے سے بالاتر اور ماورا ہیں، لیکن دوسرے ملکوں کے بارے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں ضروری نہیں کہ اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا جائے، ہماری یہی توقع اور دعا ہے کہ ایران میں داخلی معاملات جلد مستحکم ہو جائیں گے، اور اس ملک کو اسلامی انقلاب کے بعد جس نوعیت اور درجے کے امن و سکون اور سکون کی ضرورت ہے صدر منتخب ابوالحسن بنی صدر اور ان کے وزیر اعظم محمد علی رجائی اسے پورا کر سکیں گے، جس کے باعث ایرانی حکمران اپنے پریس، ریڈیو اور ٹی وی کی طرف بھی توجہ کریں گے جن میں گھسے ہوئے بعض عناصر دوست اور خیر خواہ برادر ملکوں پر بے جا اور دشنام آمیز نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، لیکن یہ موقع اور دعا اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ امام خمینی بھی اپنی بزرگی اور مقام و مرتبہ کے شایان شان ضبط و تحمل اور انصاف و راستی کا دامن تھامے رکھیں، اور اگر انہیں مصر اور عراق سے کوئی گلہ ہے تو اس کے اظہار کی لپیٹ میں پاکستان اور ترکی ایسے خیر خواہ اور عملی طور پر معاون ملکوں کو لانے سے احتراز فرما دیں،

(روزنامہ نوائے وقت ۱۳ اگست ۱۹۸۰ء)

بقیہ : مولانا محمد حیات

کے مطابق مجلس نے انہیں اب ربوہ کے مرکز کا انچارج بنا دیا تھا وہ وہاں ہونے والی تعمیرات کی نگرانی کے علاوہ علاقہ بھر میں تبلیغ کے انچارج بھی تھے،

رمضان شریف سے قبل وہ بیمار ہو کر لاہور اور وہاں سے شکر گڑھ پہنچ گئے، کافی بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے، فرمایا کرتے تھے، میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن ختم نبوت کی حفاظت کیلئے میں اب بھی جوان ہوں،

کل من علیہا فان کے مطابق آخر حکم خداوندی آن پہنچا اور رمضان المبارک کے مہینہ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اللہ تعالیٰ ان کے زندگی بھر جہاد اور حسنات کو قبول فرمائے اور ان کی مغفرت کرے ان کے درجات بلند فرمائے، انہیں اپنے زندگی بھر کے ساتھیوں کے ساتھ اعلیٰ علیین میں جگہ دے ان کے لواحقین کو صبر جمیل اور مجلس تحفظ ختم نبوت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ختم نبوت کے محاذ کو مضبوط سے مضبوط تر کرے،

سانحۂ ارتحال

محترم حاجی ولی اللہ صاحب (رنگ والے کشمیری گیٹ) لاہور کا فرزند ہونہار نور الدین پچھلے دنوں سعودی جہاز کے حادثہ میں شہید ہو گیا۔ حاجی صاحب کے بھائی ٹھیکیدار نیاز احمد صاحب جو لاولد ہیں انہوں نے اس بچہ کو متبنیٰ بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم بچہ کے درجات بلند فرمائے اور تمام متعلقین کو صبر و اجر سے نوازے۔ حضرت دامت برکاتہم سے اس خاندان کا تعلق مثالی ہے حضرت نے دعاء فرمائی۔ تمام احباب سے دعاء کی درخواست ہے۔

(ادارہ)

الحاج عبدالحمید خاں چیئرمین فیروز سنز کی یاد میں

(تحریر: حکیم آزاد شیرازی)

مجھے ہوش سنبھالتے ہی جن مقتدر اہل علم کے ناموں سے شناسائی ہوئی۔ ان میں مولوی فیروزدین صاحب کا نام بھی شامل تھا جو اپنی فیروزاللغات کے باعث زیادہ مشہور ہوئے۔ اس لغات پر حکومت پنجاب نے پانچسو روپے انعام دیا اور حکومت سے خان صاحب کا خطاب بھی ملا۔ مولوی فیروزالدین صاحب کے نام کے ساتھ ایک حکیم صاحب کا نام بھی منسلک تھا جنہیں لاہور شہر کے قدیمی باشندے حکیم مولوی محمد سلطان کے نام سے جانتے ہیں حسن اتفاق کہ مجھے نوجوانی میں ان دونوں بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوگیا۔

حکیم مولوی محمد سلطان ایک درویش منش انسان، ایک بلند پایہ عالم دین، اور ایک کہنہ مشق طبیب حاذق تھے۔ ان کے متعلق یہ روایات زبان زد خاص و عام تھی کہ وہ ایک روپے والے جعلی سکے بناتے تھے اور اس سلسلہ میں کئی بار ان کی خانہ تلاشی ہوئی اور ان پر مقدمات بھی بنتے رہے یہ بھی روایت تھی کہ اس سکہ سازی سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس روپے سے مسلمانوں کی مدد کی جاسکے اور وہ کاروبار کرکے کاروباری میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ کرسکیں۔ اس سلسلہ میں دو شخصیتوں کے نام بہت مشہور ہوئے۔ ایک عبدالحمید خاں اور دوسرے صاحب محمد شفیع (بجلی والے) مرحوم ــــ راقم الحروف اس روایت کی نہ تصدیق کر سکتا ہے اور نہ تکذیب،

خان صاحب مولوی فیروزالدین اندرونِ شہر لاہور چوہٹہ مفتی باقر کے رہنے والے تھے جہاں انھوں نے ایک دستی پریس لگا رکھا تھا وہ ایک رسالہ بھی (غالباً فیروز الاخبار) شائع کرتے تھے وہ عالم دین بھی تھے اہل قلم بھی اور شاعر بھی، بچوں کے لیے اسلامی کتابوں کے مصنّف بھی تھے، اپنے رسالے میں کبھی کبھار کسی والئی ریاست کی شان میں منظوم قصیدہ بھی شائع کیا کرتے تھے۔ عبدالحمید خاں صاحب نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے والد گرامی کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور محنت اور تندہی سے بالآخر ایک ایسا طباعتی اور اشاعتی ادارہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کا پاکستان میں جواب نہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ مولوی فیروزالدین صاحب کے دوسرے فرزندان گرامی یا تو عبدالمجید خاں صاحب ڈاکٹر عبدالوحید صاحب، غلام فرید صاحب اور عبدالرشید خاں صاحب کے والد گرامی کے مانند درمیانہ قد یا پستہ قد رکھتے تھے۔ لیکن عبدالحمید خاں صاحب بلند و بالا قد و قامت کے مالک تھے اور ان کے عزائم بھی اپنے قد کے مانند بلند و بالا تھے۔

راقم الحروف کو نوجوانی میں فیروز سنز کے شعبہ تالیف و تصنیف میں کام کرنے کا موقع غالباً ۱۹۴۲ء میں ملا۔ جہاں اس شعبہ کے صدر عبدالوحید خاں بی اے پی ایچ ڈی تھے اور انچارج محترم صوفی مقبول انور داؤدی تھے۔ صوفی مقبول انور داؤدی ابتدا میں سید حبیب کے اخبار سیاست میں خوشنویس ہوئے اور جلد ہی خوشنویسی کی بجائے ادارتی فرائض انجام دینے لگے۔ اسی دوران داؤدی صاحب کے تعلقات مولوی فیروزالدین صاحب کے داماد سراج الدین ظفر (مرحوم) سے قائم ہوئے اور یہی تعلقات انہیں بالآخر انہیں فیروز سنز میں لے آئے اس سے پہلے فیروز سنز کے شعبہ تالیف میں علامہ سیماب اکبر آبادی، حمید نظامی، نشتر جالندہری وغیرہ اصحاب قلم کام کرچکے تھے۔ میرے لیے یہ بات باعث فخر تھی کہ مجھے بھی ایسے ادارہ میں کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جہاں میرے رفقائے کار آغا شیدا کاشمیری، صائب عاصمی مظفر اکبر آبادی وغیرہ حضرات تھے۔ داؤدی صاحب کی نظر عنایت صائب عاصمی پر زیادہ ہی تھی۔ اور میرا خاکسار ہونا اور پھر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہونا داؤدی صاحب کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ اس کشمکش کا نتیجہ یہی نکلا کہ ایک سال سے بھی کم مدت میں مجھے فیروز سنز سے الگ کر دیا گیا۔ البتہ ڈاکٹر اے وحید صاحب

نے مجھے سٹی مسلم لیگ لاہور کے آفس سیکرٹری کی حیثیت میں کام کرنے کی پیشکش فرمائی جسے میں نے مسترد کر دیا لیکن ایک سال بعد میرے سب رفقاءِ کار فیروز سنز سے الگ ہو گئے حتےٰ کہ داؤدی صاحب بھی سید حبیب صاحب کے بھائی سید عنایت شاہ صاحب کے اصرار پر فیروز سنز کو چھوڑ کر ان کے رسالے ہفت روزہ ادا کار لاہور کے ایڈیٹر بن گئے۔

اور ڈاکٹر صاحب نے مجھے فیروز سنز میں شرکت کی دعوت دی۔ اور اس طرح میں اس کے شعبہ تالیفات میں داؤدی صاحب کی کرسی پر جا بیٹھا اب داؤدی صاحب سے میرے تعلقات دوستانہ ہو چکے تھے جو آج تک قائم ہیں۔ میں اب فیروز سنز کے رسالہ "تعلیم و تربیت" کی ادارت اور دوسری کتابوں کی تصنیف و تالیف میں پوری تندہی اور محنت سے کام کرنے لگا یہاں میرے کام کا تعلق براہ راست ڈاکٹر اے وحید صاحب سے تھا۔ اور وہ وہ میرے کام سے بالکل مطمئن تھے ادھر بابو عبدالمجید خاں صاحب جو کتب خانہ کے انچارج تھے مجھ سے بڑی محبت و شفقت اور مہربانی کا سلوک کرنے لگے۔ یہ محبت اتنی بڑھ گئی کہ ادارہ کے بیشتر لوگوں کی نگاہوں میں کھٹکنے لگی اور محترم عبدالحمید خاں صاحب کے فرزندِ ارجمند جناب عبدالغنی برق بی اے نے وقتاً فوقتاً میرے کام میں مداخلت شروع کر دی۔ جو مجھے ہرگز گوارا نہ تھی۔ رفتہ رفتہ عبدالحمید خاں صاحب نے بھی مجھ سے وقتاً فوقتاً جواب طلبی شروع کر دی۔ حالانکہ میرے فرائض کا براہ راست تعلق ڈاکٹر اے وحید خانصاحب سے تھا اور انہیں میرے کام سے کبھی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی میں اپنی روزانہ کارکردگی کی رپورٹ ڈاکٹر صاحب کو پہنچاتا تھا۔

فیروز سنز کے سامنے باغ میں پریس کے ملازمین کے لیے ایک پکا چبوترہ مسجد کے طور پر بنا ہوا تھا جہاں پریس ملازمین نماز ظہر اور نماز جمعہ بھی ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن راقم الحروف نماز جمعہ شیرانوالہ میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں ادا کیا کرتا تھا اور عبدالحمید خاں صاحب اس بات کو بھی نوٹ فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں روزانہ خانصاحب پریس کے گیٹ پر کھڑے ہو کر ملازمین کے بروقت یا تاخیر سے آنے کا نوٹس لیا کرتے تھے اور میں ہمیشہ دو تین منٹ تاخیر سے آیا کرتا تھا۔ اس دوران میری جگہ کام کرنے کے لیے متعدد اصحاب آتے لیکن وہ سب حضرات ناکام ہو کر جاتے رہے اس زمانہ میں مولوی فیروز الدین خانصاحب کی خودنوشت سوانح حیات کی ترتیب کا کام میرے ذمہ کیا گیا چنانچہ میں روزانہ ظہر کی نماز کے بعد پریس کے بالائی حصہ میں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضری دیتا اور ان سے ان کے حالاتِ زندگی سن کر انہیں نوٹ کرتا۔ مولوی فیروز الدین صاحب بھی مجھ سے بڑی شفقت سے پیش آتے۔ میرے لیے چائے منگواتے اور میں ایک دو گھنٹے کام کر کے لوٹتا۔ اب عبدالحمید صاحب چاہتے تھے کہ میں دفتری اوقات کے بعد یہ کام کیا کروں لیکن میں اپنے فرائض دو بجے تک نہایت تیز رفتاری سے کر کے مولوی فیروز الدین صاحب کی خدمت میں پہنچ جایا کرتا ــــ یہ سرد جنگ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر اے وحید صاحب سے اس سلسلہ میں گلہ شکوہ کرنے پر بھی طبیعت آمادہ نہ تھی۔ بابو عبدالمجید خاں صاحب اس ساری صورتِ حال سے آگاہ تھے اور مجھے بھی مشورہ دیتے رہتے کہ تم دلجمعی سے اپنا کام کرتے رہو۔ حالات خود بخود درست ہو جائیں گے دراصل عبدالحمید خان صاحب ایک سخت گیر انسان تھے وہ چاہتے تھے کہ پریس کے دوسرے ملازمین کی طرح میں بھی آٹومیٹک مشینری کی طرح کام کروں۔ وہ ایک ذہنی مزدور اور جسمانی مزدور میں فرق مراتب کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ اسی دوران جموں و کشمیر کے ایک پبلشر، رہبر اخبار اور رسالہ رتن کے مالک مسٹر اوم پرکاش صراف بی۔ اے میری تلاش میں لاہور پہنچے اور کشمیر کے درسی نصاب کی تدوین و تالیف پر انہوں نے مجھے آمادہ کر لیا اس کے بعد میرے لیے فیروز سنز میں کام کرنے کا کوئی جواز باقی نہ رہا کیونکہ فیروز سنز میں بھی دوسرے فرائض کے علاوہ مجھے اب کشمیر کا درسی نصاب بھی مرتب کرنا تھا۔ میں نے نہایت دیانتداری سے فیصلہ کیا کہ مجھے یا تو جموں والے پبلشر سے معاہدہ نہیں کرنا چاہیے یا فیروز سنز سے علیحدگی اختیار کر لینا چاہیے۔

چنانچہ میں نے ایک دن سہ پہر کو ایک دن اپنا استعفےٰ ڈاکٹر صاحب کی میز پر پہنچا دیا۔ دوسرے روز ڈاکٹر صاحب نے مجھے بلایا اور استعفےٰ واپس لینے کو کہا اور یہ کشمکش کئی روز جاری رہی لیکن میں اپنے فیصلہ پر قائم رہا اور ہفتہ عشرہ بعد یہ کہہ کر فیروز سنز کی ملازمت سے نجات پائی کہ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں لیکن میں نے ملازمانہ زندگی ترک کرنے کا قطعی

فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد میں نے اوم پرکاش صراف سے معاہدہ کر کے ان کا کام شروع کر دیا۔ صراف صاحب کے ایک دوست پروفیسر کندن لال تھے جو فیروزپور کے رہنے والے تھے اور گوجرانوالہ میں پروفیسر تھے وہ ہر ہفتے لاہور میں آکر مجھ سے ملاقات کرتے اور ان دونوں اصحاب سے کاروباری تعلق انتہائی دوستانہ تعلق میں تبدیل ہوگیا۔ حتیٰ کہ نصابی کام کے اختتام پر انہوں نے انہوں نے مجھے رسالہ رتن کی ادارت اور دوسرے تصنیفی کام کی پیشکش کی لیکن میں نے یہ پیشکش اس لیے قبول نہ کی کہ میں لاہور چھوڑنے کو آمادہ نہ تھا۔ بہر صورت میں لاہور میں رہ کر ان کے مختلف کام کرتا رہا۔ ان دونوں شخصیتوں کی یاد آج بھی میرے نہاں خانۂ دل میں محفوظ ہے۔

پاکستان بنا۔ اور حالات نے پلٹا کھایا وہی عبدالحمید خان صاحب جو حضرت لاہوریؒ کے ارادت مندوں کو غم و غصہ کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے حضرت لاہوریؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خدام الدین کی طباعت و اشاعت کے منتظم بنے۔ اور حضرت لاہوریؒ کے انتقال پر "مردِ مومن" جیسی کتاب کے ناشر ہوئے۔ حضرت لاہوریؒ کی وفات سے چار پانچ برس پیشتر عبدالحمید خاں کو میرا سراغ ملا اور انہوں نے مجھے لائلپور خط لکھا جس میں فیروز سنز کے ادارے سے منسلک ہونے کی دعوت دی۔ اس سلسلہ میں میں نے ڈاکٹر اے وحید صاحب سے ملاقات کی۔ میں لاہور اپنے والدین کی خاطر آنے پر آمادہ تھا لیکن اس ملاقات کے نتیجہ میں میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن عبدالحمید خان صاحب نے چھ ہفتہ تک میرا انتظار کیا۔ حتیٰ کہ اپنے ایک ملازم شیخ محمد سعید صاحب کو میرے پاس لائلپور بھیجا۔ میرے قطعی انکار پر وہ مایوس ہوگئے اور پھر مجھے ایک مشفقانہ خط لکھا اور لائلپور ہی میں میری کامیابی کی دعا فرمائی۔ انہیں میرے انکار پر غصہ تو ضرور تھا جس کا اظہار مرحوم نے اپنی کتاب "مردِ مومن" میں قطعاتِ تاریخ وفات کی صورت میں یوں فرمایا کہ میرے دو قطعات تو شائع کیے لیکن میرا نام شائع نہ کیا۔

آج خان عبدالحمید خاں صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے ہیں اور راقم الحروف نے سطور بالا میں جو واقعات مختصر لکھے ہیں۔ ان سے مرحوم کی شکایت مقصود ہرگز نہیں بلکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ کسی بھی کاروباری ادارے کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لیے مرحوم خانصاحب نے جو اصول بنا رکھے تھے وہ بہت ضروری ہیں وہ خود بھی انتہائی محنتی انسان تھے۔ اور ادارے کے دوسرے کارکنوں سے بھی اسی محنت اور اصولوں کی پابندی بجا طور پر توقع رکھتے تھے۔ اگر وہ سخت گیری اختیار نہ کرتے تو فیروز سنز کا ادارہ اپنا بلند و بالا مقام ہرگز حاصل نہ کر سکتا بلکہ اس کا حشر بھی استاذی شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی کے اردو مرکز، ادبی دنیا، اور شاہکار جیسے اداروں جیسا ہوتا کیونکہ جب تک کوئی انسان کاروباری صلاحیتیں نہ رکھتا ہو اور ان کو بروئے کار نہ لائے اس وقت تک کوئی کاروباری ادارہ خصوصاً اشاعتی ادارہ کامیابی کی منزل سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے (آمین)

کیونکہ بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

بقیہ : مجلسِ ذکر

رسید کہ سب سرمایہ لٹ گیا اور انسان خالی ہاتھ گیا — آپ کو ہمیں سب کو سوچنا چاہیے کہ ہمارے شب و روز کس طرح گذرتے ہیں۔ ہماری مجالس بدگوئی اور غیبت کی مجالس ہوتی ہیں۔ گالی گلوچ فیشن بن چکا ہے نام بگاڑنا اور مذاق کرنا ہماری عادت بن چکی ہے، کم تولنا اور کم ناپنا عام ہو چکا ہے۔ رشوت و سفارش کی گرم بازاری ہے۔ اولاد والدین کی نافرمان، چھوٹے بڑوں کی گستاخی کرنے والے، بڑے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتے۔ علم سے کورے لوگ اسلافِ امت پر طعن و تشنیع کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں ہم یہاں دین کی خاطر اکٹھے ہوتے ہیں۔ ہمارا مقصد اصلاح ہے۔ ہمیں کچھ یہاں سے سیکھ کر جانا چاہیے [illegible] ہمیں حقوق اللہ کی ادائیگی کا لحاظ کرنا چاہیے وہاں حقوق العباد کا اہتمام بھی ضروری ہے اور یہی میری آپ کو نصیحت ہے

تعارف و تبصرہ

سوانح قاسمی

تصنیف : مولانا مناظر احسن گیلانی رح
قیمت ۔/۱۳۵ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ ایک نابغہ اور عبقری انسان تھے۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں بے پناہ صفات و کمالات اور خوبیوں سے نوازا تھا۔ قدرت کی خداداد صلاحیتوں کو انہوں نے دین اسلام کی سربلندی اور ملت کی عظمت رفتہ کی واپسی و بحالی کے لیے داؤ پر لگا دیا ــــ انہوں نے اور ان کے گرامی مرتبت رفقاء نے میدان جہاد سے لے کر تعلیمی اور تبلیغی میدان تک میں وہ کارنامے سرانجام دیے کہ باید و شاید ؟

حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسے لوگ جو قربانی اور جدّ و جہد کے نام سے ناآشنا تھے بلکہ جن کی سرگرمیاں ملت کی غلامی کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے جاری رہیں انہیں قوم کا ہیرو اور ان اساطین ملت کو آج بدنام کرنے کا دھندا زوروں پر ہے ــــ ہمارے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ صحیح الفکر اور صحیح الدماغ لوگ تاریخ ماضی کے معاملہ میں غفلت کا شکار ہو گئے ہیں اور وقت جس تحریری اور تبلیغی انداز کا ان سے مطالبہ کرتا ہے اس کا انہیں احساس نہیں ہو رہا ــــ اللہ کا شکر ہے کہ اب جمود ٹوٹ رہا ہے اور بعض باہمت لوگ آگے بڑھ کر صحیح سمت کام کرنے میں مشغول ہو چکے ہیں ــــ انہی حضرات میں مکتبہ رحمانیہ لاہور کے کارپردازان ہیں جو اس سے قبل کئی قابل قدر اور وقیع کتابیں چھاپ چکے ہیں۔ اب انہوں نے حضرت والا کی سوانح حیات شائع کی ہے جو ایک بڑا کارنامہ ہے۔ یہ سوانح حیات دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز فرزند مولانا مناظر احسن گیلانی نے مدرسہ کے مہتمم اور مجلس شوریٰ اور دوسرے عقیدت مندان قاسمی کے ایماء پہ مرتب کی اور دیوبند سے ہی چھپی۔ خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ کی مرتبہ سوانح قاسمی ہے۔ جو بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے۔ مولانا محمد یعقوب حضرت نانوتوی کے ہم سبق، استاذ زادے اور ہم وطن تھے۔ انہوں نے بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ مختصر سوانح لکھی جس کو مولانا گیلانی نے بنیاد بنا کر تین جلدوں میں یہ ضخیم کتاب لکھی۔ ارباب مکتبہ نے ہندی نسخہ کا فوٹو لے کر سفید براق کاغذ پر بڑی خوبی سے کتاب چھپوا دی ہے اور تین کے بجائے دو جلدوں میں کر دیا ہے۔ سنہری ڈائی دار جلد سے مزین یہ خوبصورت کتاب ہر لائبریری کی زینت اور ہر باذوق انسان کی ضرورت ہے امید ہے کہ اہل ذوق قدر کریں گے۔

بدعت کیا ہے ؟

قیمت : ۲۲/۵۰
ملنے کا پتہ : ادارہ اسلامیات
۱۹۰- انار کلی لاہور

سرور کائنات علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق "بدعت" ظلمت و تاریکی کے مترادف ہے جو کسی انسان کے برے انجام کا سبب و ذریعہ بنتی ہے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے اس سے سختی سے روکا، اور اپنی سنتوں کے مطابق زندگی گذارنے کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا کہ جس قوم میں بدعت رواج پا جاتی ہے وہ اسی انداز کی سنت

کی نعمت اور نورانیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ملت کا ایک بڑا طبقہ بدعات کی گرم بازاری کا شکار ہے اس دورِ ظلمت میں ایسی کتابوں کی اشاعت جو خلقِ خدا کی مؤثر رہنمائی کا باعث ہو اشد ضروری ہے۔ ہمارے برادرانِ دین مالکانِ ادارہ اسلامیات جنہوں نے اپنے اسلاف کی طرح دینی کتابوں کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے اور مختصر وقفہ میں متعدد قابل قدر اور وقیع کتابیں چھاپی ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب حال ہی میں بڑے اچھے اور خوبصورت انداز میں شائع کی ہے۔

پاکستان میں یہ کتاب پہلی بار چھپ رہی ہے۔ اس سے قبل یہ ہندوستان میں چھپی اور بے پناہ مقبول ہے۔ یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں پہلے تو ایک نصیحت نامہ ہے جو حدیث کے اونچے درجہ کے سکالر اور خادم مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم مدنی کے قلم سے ہے جس میں زبان کی سادگی اور شستگی کے ساتھ وہ تمام بنیادی امور لکھ دئے گئے ہیں جو ایک مسلمان کی نجات و فلاح کے لیے از بس ضروری ہیں اس کے علاوہ جناب مولانا شیخ احمد صاحب، محترمہ عطیہ خلیل عرب، جناب ماہر القادری اور جناب عامر عثمانی کے مضامین ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ ہر مضمون اپنی جگہ ایک مستقل تصنیف کے درجہ میں ہے۔ ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ یہ کتاب پڑھنے والا انشاء اللہ بدعات و ظلمات سے بچ کر سنن مصطفویؐ کے نور سے اپنا دامن بھرے گا اور اس کی دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔

ادارۂ اسلامیات کے ارباب حل و عقد مستحق تبریک ہیں کہ انہوں نے یہ مجموعہ چھاپا۔ اللہ تعالیٰ اسے ملت کی بہتری اور بھلائی کا باعث بنے۔ اور انہیں بہترین اجر سے نوازے۔

القرأۃ الراشدۃ

تالیف: مولانا السید ابوالحسن علی ندوی
ناشر، مجلس نشریات اسلام۔ اے، کے
۳ ناظم آباد مینشن ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

ملک کا کوئی لکھا پڑھا باشعور انسان مولانا علی میاں کے نام سے ناواقف نہیں۔ حضرت امیر المومنین سیّد احمد شہید قدس سرہٗ سے نسبی تعلق کا شرف آپ کو حاصل ہے خالص علمی اور فکری گھرانے میں نشو و نما پائی۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی، قطب الاقطاب حضرت رائپوری اور امام اولیاء حضرت لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے وقت کے بہترین حضرات سے استفادہ کا موقع ملا اور مدتوں ہر بزرگ کی خدمت و چاکری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ملت کی اصلاح و فلاح کے لیے آپ کے قلم سے جو جواہر پارے نکلے ہیں اس نے ہزاروں انسانوں کی کایا کلپ کر دی۔ مصر و سعودی عرب سے لے کر پاک و ہند تک ہر جگہ آپ کی لکھی ہوئی تحریریں کمال ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ چونکہ آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسی عظیم درسگاہ کے ناظم بھی ہیں اس لئے آپ نے وہاں کے ابتدائی درجات کے لیے ایک سلسلہ کتب طیار کرایا جس میں کچھ چیزیں خود آپ کے قلم سے ہیں اور کچھ آپ نے دوسرے حضرات سے لکھوائی ہیں۔ جو چیزیں آپ نے خود لکھیں ان میں قصص النبیین نامی وہ رسائل شامل ہیں جو پانچ حصوں میں ہیں اور بلا مبالغہ نبوی قصص کی بھاری بھر کم کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ وقیع ہیں۔ یہ رسائل ایسے ہیں کہ اس سے جہاں طلبہ میں عربی زبان کا ستھرا ذوق پیدا ہوتا ہے وہاں وہ انبیاء کے صحیح واقعات سے آگاہ ہو کر ان کی عظمت سے شناسا ہو جاتے ہیں۔ دوسری چیز جو خود آپ کے قلم سے نکلی وہ زیر تبصرہ رسالہ ہے جس میں کہانی کے انداز میں

۴۲

اسباق ہیں اور ہر سبق میں ایک سچا تاریخی واقعہ انتہائی شستہ انداز میں لکھا گیا ہے۔

ہمارے مدارس دینیہ بالخصوص پاکستانی مدارس کے طلباء کی عربی زبان میں کمزوری ایک امر واقعہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی چیزیں شامل نصاب کی جائیں جس سے جدید عربی کا اسلوب سمجھ میں آ جائے۔ زبان پر قدرت حاصل ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ تاریخ و قصص حقّہ سے آگاہی نصیب ہو جائے۔

مولانا کی یہ کتابیں سعودی عرب کے مدارس میں داخل نصاب ہیں، مصر کی وزارت تعلیم بھی ایسا کر رہی ہے اور ہندوستان کے بعد کراچی بھر کے مدارس انہیں داخل نصاب کر چکے ہیں۔ ہماری ملک بھر کے صحیح الفکر مدارس کے ارباب حل و عقد سے گذارش ہے کہ وہ ان دونوں رسائل کے ساتھ ساتھ ندوۃ کے دوسرے رسائل "تمرین الصرف، تمرین النحو اور معلم الانشاء" کو اپنے مدارس میں داخل نصاب کر کے نئی نسل کو ان حقائق سے آشنا کرائیں۔ ان سے جہاں جدید عربی کا اسلوب معلوم ہوگا وہاں سچائی اور دیانت پر مبنی قصص و واقعات کا بھی علم ہوگا۔

مجلس نشریات اسلام نے یہ سب چیزیں شائع کر کے بڑا احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مجھے امید ہے کہ ارباب مدارس اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

بقیہ: مولانا ذوالفقار علی

ہے رکے

بنیاد پر اس کے چال چلن کا دارو مدار تھا۔ وہ اس درجہ برباد ہو گیا ہے۔ کہ اب اس کے پھر بننے کی امید نہیں ہے"

ہنٹر لکھتا ہے کہ

"الغرض مسلمان اب یہاں تک قعر مذلت میں گر چکے ہیں کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے قابل ہوں تب بھی ان کو سرکاری اعلانات کے ذریعہ ملازمت سے باز رکھا جاتا ہے"

ان حالات میں مسلمان انگریزی تعلیم سے محروم رہے، انیسویں صدی کے آخری ثلث میں حکومت کے رویہ میں تبدیلی رونما ہوئی مسلمانوں کی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ اداروں میں عربی و فارسی کی تعلیم کا اہتمام کیا۔ ان بدلے ہوئے حالات میں مسلمان جدید تعلیم سے آراستہ ہونے لگے

۳ے تمدن ہند ص ۲۶۹ ۴ے ہندوستانی مسلمان ص ۲۴۳

مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں کا

اظہار تعزیت

تحریک آزادی کے نامور مجاہد رہنما مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھی، مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے سابق امیر مناظر اسلام مولانا محمد حیات پچھلے دنوں اپنے آبائی گاؤں شکر گڑھ میں انتقال کر گئے۔ موصوف نے تحریک آزادی کے لیے انتھک محنت کی بارہا قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ تقسیم ملک کے بعد وہ ملک عزیز کی تبلیغی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت میں شامل ہو کر دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

موصوف بہت بڑے مناظر تھے۔ آریہ سماج، ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، منکرین ختم نبوت سے مناظرے کر کے دین اسلام کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے دارالمبلغین میں ہزاروں علماء نے ان سے تردید فرق باطلہ کی ٹریننگ حاصل کی۔ جو اندرون و بیرون ملک تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ موصوف عربی، انگلش، فارسی، اردو اور پنجابی کے بہترین مقرر و مناظر تھے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے رہنماؤں مولانا خان محمد، مولانا محمد عبداللہ رائے پوری، مولانا تاج محمود مولانا عزیز الرحمن جالندھری، مولانا محمد شریف جالندھری نے اپنے تعزیتی بیان میں موصوف کی وفات کو ملک و ملت کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا اور پسماندگان سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔

اے شمع طلب کے پروانو!

(منظور سعید احمد)

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ کو جامع مسجد شیرانوالہ میں دورۂ تفسیر کی تکمیل
اور ختمِ قرآن کی مشترکہ تقریب پر پڑھی گئی۔ (ادارہ)

اے شمعِ طلب کے پروانو! یہ محفلِ جاناں یاد رہے
جو تم کو یہاں لے آیا ہے وہ شوق، وہ ارماں یاد رہے

پھر یوں نہ اکٹھے سب ہوں گے، ساماں یہ بہتر کب ہوں گے
یہ وقت کی باتیں ہوتی ہیں، یہ وقت یہ ساماں یاد رہے

مت بھولنا اپنے مقصد کو، اس منبر کو اس مسجد کو
تم ڈیڑھ مہینے تک جس میں رہے صورتِ مہماں یاد رہے

ظلمت ہے جہاں میں عام ہوئی، ہر صبح پہ غالب شام ہوئی
ہر کوشش کیوں ناکام ہوئی، کیوں باغ ہے ویراں یاد رہے

تم جادۂ حق کے ہو راہی، لو ساتھ شعور و آگاہی
کیا سوچتے ہیں، کیا کرتے ہیں، اس دور کے انساں یاد رہے

کچھ لوگ مجاہد ہیں تم میں، کچھ عابد زاہد ہیں تم میں
اُمیدوں پر پورے اُترو، یہ درس یہ قرآں یاد رہے

تم نور سراپا بن جاؤ، اور دہر میں اس کو پھیلاؤ!!
پھر مردہ دلوں کو گرماؤ، بے جاں ہیں مسلماں یاد رہے

غافل نہ کہیں تم ہو جانا، مت گہری نیندیں سو جانا
یوں دنیا میں مت کھو جانا، نہ کہانی نہ عنواں یاد رہے

یہ کاہش خواہش ہے اس کی، ہے اس کی بدولت یہ سب کچھ
انور کو دعائیں دیتے رہو، یہ لطف یہ احساں یاد رہے

اب بات پلٹتی جاتی ہے، پھر یاد کسی کی آتی ہے!!!
اس بزم کو بھی تڑپاتی ہے، جو درد نمایاں یاد رہے

گزرے اس کو اٹھارہ سال ہوئے۔ تبدیل ہمارے حال ہوئے
جو اس نے کھلائے تھے اِس جا، وہ گل نہ گلستاں یاد رہے

وہ روپ نہیں بہروپ نہیں، اک برف جمی ہے دھوپ نہیں
دل سرد تو چہرے زرد ہوئے اے سوزشِ پنہاں یاد رہے

میخانے کا ہے رنگ نیا، ہے رِندوں کا ہر ڈھنگ نیا
کیوں صبحِ طرب کے متوالوں کو شامِ غریباں یاد رہے

بے سود یہ ہست و بود نہ ہو، طاری یوں کاش جمود نہ ہو
یہ آہ نہ ہو، یہ درد نہ ہو۔ ہم کیوں ہیں پریشاں یاد رہے

تشریحِ طلب یہ بات نہیں، کیوں اس کی وضاحت میں جاؤں
تم بن کے مسلماں زندہ رہو۔ ہو تم بھی مسلماں یاد رہے

جو بات ابھی تک کہہ نہ سکا، بِن کہنے کے بھی رہ نہ سکا!
اے اہلِ نظر! اس پر بھی نظر، ہو لطفِ فراواں یاد رہے

اے اہلِ جنوں! کیسے نہ کہوں، مرا سوزِ دروں مرا جذب فزوں
ہے ایک قیامت میرے لئے، اک صورتِ طوفاں یاد رہے

کچھ باتیں سرِ محفل ہیں کہیں، مقصود ستانا کسی کو نہیں
میں اپنا سمجھتا ہوں سب کو، یہ بات نمایاں یاد رہے

لے دے کے نشاں اک باقی ہے، میخانے کا وہ ساقی ہے
اللہ! سلامت رکھ اُس کو، ہے وہ درد کا درماں یاد رہے

اے دوستو! سب آمین کہو، اب ختم دعا پر بات کروں
انور کی ضرورت ہے ہم کو، اے رحمتِ یزداں یاد رہے

یہ دردِ محبت کی تھی کسک، لے آئی جو مجھ کو محفل تک
اے اہلِ زمیں! اے اہلِ فلک! منظورِ غزلخواں یاد رہے

انجمن خدام الدین لاہور کی طرف سے شائع شدہ
قرآن عزیز
بہ تجشیہ جدیدہ
بہترین عکسی طباعت سے مزین
ترجمہ: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ
ہدیہ
قسم اعلیٰ - /۲۰۰ روپے، کاغذ آسٹریا، وہائٹ پرنٹنگ، چرمی جلد
قسم اوّل: - /۷۵ روپے امپورٹڈ آفسٹ پیپر
قسم دوم: - /۳۵ روپے جلد ڈائی دار کاغذ مکینیکل گلیزڈ
قسم سوم: - /۲۱ روپے جلد سادہ کاغذ مکینیکل گلیزڈ
محصول ڈاک: - /۶ روپے
فی نسخہ زائد ہوگا۔
شعبہ تالیف واشاعت انجمن خدام الدین وادارہ نشر انوار الہدایہ